

# اسرارِ خودی

فارسی اشعار کا منظوم ترجمہ



از اقبال<sup>رح</sup> مترجم  
عبدالرشید فاضل

اقبال

# اسرار خودی

مترجم  
عبدالرشید فاضل

# تعارف

کسی دوسری زبان کے مضامین و مطالب کو کسی اور زبان میں منتقل کرنا نہایت دقت طلب امر ہے۔ خصوصاً جب کہ مضامین فلسفیانہ نازک خیالی کے ساتھ زبان شعر میں ادا ہوئے ہوں اور اس کا ترجمہ بھی شعروں میں کیا جا رہا ہوتا ہے۔ فاضل مترجمین نے علامہ اقبال کی معرکہ الآراء تصنیف اسرار و رموز کا منظوم ترجمہ پیش کر کے ایک اہم کام انجام دیا ہے۔

حکیم الامت علامہ محمد اقبال کی کتاب اسرار و رموز کا فارسی زبان سے اردو میں یہ ترجمہ ہمارے اشاعتی پروگرام کی ایک اہم کڑی ہے۔ جو اقبال اکادمی پاکستان داناؤں کے نگر و بیغام کی ترویج و تفسیم کے لئے کر رہی ہے۔ اقبال ہمارے قومی شاعر ہیں اور اردو ہماری قومی زبان ہے۔ چنانچہ اسرار و رموز جیسی اہم کتاب کا اردو میں ترجمہ ایک ناگزیر ضرورت تھی۔

اسرار و رموز کے حصہ اسرار خودی کا ترجمہ جناب سید الرشید فاضل اور رموز بیخودی کا ترجمہ جناب کوکب شادانی نے کیا ہے۔ ہم اسے ایک ساتھ اس لئے شائع کر رہے ہیں تاکہ اسرار خودی، جو کہ خودی کے مفہیم و مطالب کی توضیح اور رموز بیخودی جو کہ فلسفہ و خودی کی سماج میں اطلاقی کیفیت کی آئینہ دار ہے، کا تسلسل قائم رہے جس طرح مشکوٰۃ اور جواب مشکوٰۃ کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا، اس طرح رموز بیخودی کو بھی اسرار خودی سے الگ کرنے سے نکر اقبال کے اعجاز سخن سے استفادہ نہیں کیا جاسکتا۔

ہمیں امید ہے کہ قارئین، نہ صرف ان تراجم کو پسند فرمائیں گے، بلکہ ان کے بارے میں اپنی رائے سے بھی ہمیں مطلع فرمائیں گے۔ تاکہ ان آراء کی روشنی میں خوب سے خوب تر کی کوشش کی جاسکے۔

ناشر

# پیشے لفظ

مثنوی «اسرار خودی» ۱۹۱۵ء میں شائع ہوئی۔ اب ہے جو یورپ اور امریکہ میں اقبال کی شہرت کا سبب بنی۔ ڈاکٹر ٹکسن نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا تو ان ممالک میں اس پر یورپ لکھے گئے اور اس طرح یورپ اور امریکہ کو اقبال کے انکار سے واقف ہوتے کا موقع ملا۔ اب ہم اقبال ایک شاعر کی حیثیت سے مشہور تھے لیکن اس مثنوی کی اشاعت کے بعد سے ان کو ایک فلسفی اور مفکر کی حیثیت سے دیکھا جانے لگا۔ اس لئے کہ اس مثنوی میں انہوں نے اپنے «فلسفہ خودی» کو ایسی دلنشین ترتیب اور ایسے مفکرانہ انداز میں پیش کیا ہے جو ایک شاعر کے انداز فکر سے بالکل مختلف ہے۔ شاعر کی فکر میں یہ ترتیب، یہ باقاعدگی اور یہ استدلالی شان کہاں ہوتی ہے! انہوں نے خود بھی فرمایا کہ

شاعری زین مثنوی مقصود نیست - بت پرستی، بت گری مقصود نیست

حسن اندازِ بیاں از من مجو! - خوان روا صفہاں از من مجو!

یوں تو اقبال کے کلام میں فلسفیانہ خیالات کی اس قدر بہتات ہے کہ شاید ہی کسی دوسرے شاعر کے ہاں ہو، پھر بافکار کا یہ تنوع اور خیالات کی یہ گونا گونی تو اقبال کے سوا کہیں مل ہی نہیں سکتی۔ مگر ان کی شہرت کو جس فلسفے نے پروانہ لگائے وہ یہی فلسفہ خودی ہے۔

بہر حال اس موقع پر فلسفہ خودی پر بحث کرنا مقصود نہیں ہے۔ یہ چند سطریں بطور تمہید کے حوالہ قلم کی ہیں۔ ترجمے کے بارے میں گزارش ہے کہ جب میں نے اسرار خودی کا مطالعہ کیا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ کتاب، اگرچہ مختصر ہے، مگر بڑی جامع ہے اور اس قابل ہے کہ مسلمان اسے پڑھیں اور سمجھیں بلکہ اس کو اپنا دستور العمل بنائیں۔ اس خیال نے مجھے اس بات پر آمادہ کیا کہ اس کا منظوم اردو ترجمہ کروں تاکہ یہ خیالات فارسی سے اردو میں منتقل ہونے کے بعد زیادہ سے زیادہ عام ہو سکیں۔ اس لئے کہ یہ خیالات ایسے ہی ہیں کہ ان کو قوم میں زیادہ سے زیادہ جاری و ساری ہونا چاہئے۔ لہذا یہ عام فہم اردو زبان میں ترجمہ کیا۔ اگرچہ یہ دعویٰ کرنا کہ میں نے ترجمہ کا حق ادا کر دیا ہے بہت بڑا بول ہوگا۔ ویسے بھی بقول مولانا ظفر علی خاں مرحوم کہے۔

” یہ حقیقت محتاج تشریح نہیں ہے کہ ایک زبان کی نظم کو کسی دوسری زبان میں منتقل کرنا آسان نہیں۔ جس طرح ایک قالب کی روح دوسرے پیکر میں نہیں بھونکی جاسکتی اس طرح ایک زبان کی نظم کو دوسری زبان کے قالب میں نہیں ڈھالا جاسکتا۔ کیونکہ اس طریقے سے زبان کی مقامی لطافت کا مزہ جانا رہتا ہے۔“

تاہم اس میں بھی شک نہیں کہ یہ ترجمہ بھی جس وقت دکاوش سے ہوا ہے وہ میں ہی جانتا ہوں۔ کئی دفعہ اس کام سے دستبردار ہو جانے کا ارادہ کر لیا۔ مگر جس نیت سے یہ کام شروع کیا گیا تھا وہ نیک تھی اور خود نمائی و جلب منفعت کے جذبے سے پاک اس لئے تو فیتق الہی نے ساتھ نہ چھوڑا اور جس قلم نے بسم اللہ لکھی تھی آخر اسی نے تمت تک لکھ کر دم لیا۔ فارسی زبان سے اردو میں ترجمہ کرنا اور پھر نظم کا نظم میں اس لئے بھی مشکل ہے کہ فارسی کا ایک فقرہ کبھی کبھی ایک پوری عبارت کا مضمون ادا کر دیتا ہے، ایک مصرع میں بعض اوقات معانی و مطالب

کی ایک دنیا آباد ہوتی ہے۔ اردو میں یہ بات کہاں! اس کے علاوہ زبانِ فارس کی شیرینی اور خیالات عالیہ کے بیان کرنے کی قابلیت بھی مستحکم ہے جیسا کہ خود اقبال فرماتے ہیں۔

گرچہ ہندی درغذوبت شکر آست . طرزِ گفتار وری شیریں تر آست

نکر من از جلوہ اش مسحر گشت . خامہ من شاخ نخل طور گشت

پارسی از رفعتِ اندیشہ ام . در خورد با نطرتِ اندیشہ ام

پس ان گوناگوں مشکلات کے ہوتے ہوئے اگر ترجمہ میں وہ دلربائی نظر نہ آئے جو اصل کے ایک

حرف میں موجود ہے تو مجھے معذور سمجھا جائے۔

ترجمہ حتی الامکان لفظی کیا ہے۔ اور اس بات کی کوشش کی ہے کہ جہاں تک ہو سکے اصل کتاب کے

الفاظ اور فقرہ ہی سے ترجمہ کیا جائے۔ اس کے دو سبب ہیں ایک یہ کہ جو تاثیر حضرت علامہ کے الفاظ میں

ہے وہ دوسرے الفاظ میں نہیں ہو سکتی۔ دوسرا یہ کہ ان افکار عالیہ کے بیان کرنے کی قابلیت بھی جو ان الفاظ میں ہے

دوسرے الفاظ میں کیوں کر ہو سکتی ہے کہ یہ الفاظ ایک مفکر کے علم و مشاہدہ اور تفحص کا نتیجہ ہیں۔ ہاں ایک بات میں

نے اپنی طرف سے کی ہے وہ یہ کہ اسرارِ خودی کی بحر کے بجائے ایک رکھی کے اضافے سے ایک دوسری ہی بحر

میں ترجمہ کیا ہے۔ اس سے یہ آسانی ہو گئی کہ ایک شعر کا ترجمہ ایک ہی شعر میں ہو گیا۔ البتہ جہاں زبان نے ساتھ

نہیں دیا اور فارسی الفاظ اور محاورات کا اردو میں مترادف لفظ اور محاورہ مل گیا تو اصل الفاظ کے چھوڑ دینے

میں بھی تامل نہیں کیا ہے۔ ان تمام رعایتوں، احتیاطوں اور امکاناتی کوششوں کے باوجود بھی اس بات کا مکرر

اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے جواہر گماں بہا کے پہلو میں نعتِ ربیوں کو جگہ دی ہے اور جامِ جہاں نما کے مقابلے

میں جامِ سفال کو پیش کیا ہے اس لئے نہیں کہہ سکتا کہ کلمہ شادام از زندگی خویش کہ کارے کر دم۔

سید عبدالرشید فاضل

جون ۱۹۷۷ء

# فہرس

صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار	صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار
۴۶	اسما علی مرتضیٰ ارف الخ	۱۱	۱	ترجمہ	۱
۵۱	حکایت ایک نوجوان مروزی	۱۲	۲	تہیید	۲
	کی الخ		۱۱	اس بیان میں کہ نظام عالم الخ	۳
۵۴	حکایت اس پرندے کی الخ	۱۳	۱۴	اس بیان میں کہ حیات خودی الخ	۴
۵۶	حکایت الماس وزغال	۱۴		اس بیان میں کہ خودی جب عشق و محبت	۵
۵۸	شیخ و برہن کی حکایت الخ	۱۵		الخ	۶
۶۵	میرنجات نقش بند کی نصیحت الخ	۱۶	۳۰	اس معنی میں کہ نفعی خودی کا الخ	۷
۶۱	الوقت سیف	۱۷	۳۹	مرحلہ اول اطاعت	۸
۷۷	دعا	۱۸	۴۱	مرحلہ دوم. ضبط نفس	۹
			۴۳	مرحلہ سوم. نیابت الہی	۱۰

دی شیخ با چراغِ ہی گشت گردِ شہر  
 کردام و دودِ معلوم و انسا نم آرزوست  
 زین ہریانِ سُست عناصرِ دلم گرفت  
 شیرِ خدا و رستمِ دستا نم آرزوست  
 گفتم کہ یافت می نشود و جُبتہ ایم ما  
 گفت آنکہ یافت می نشود و آنم آرزوست

(مولانا جلال الدین رومیؒ)

## ترجمہ

کل شہر میں چراغ لے پھر رہا تھا شیخ  
 کہتا تھا ناکسوں میں اک انساں کی ہے تلاش  
 دل بچھو گیا ہے سُست رفیقانِ راہ سے  
 شیرِ خدا و رستمِ دستاں کی ہے تلاش  
 میں نے کہا کہ ڈھونڈ کے ہم تھک رہے اُسے  
 کہنے لگا کہ ایسے ہی انساں کی ہے تلاش



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# ترجمہ (اسرارِ خودی

## تمہید

نیست درخشک و تربیشہ من کوتاہی  
چو پھر نخل کہ منبر نشو و دارکتہم

(فقیرِ نیشاپوری)

## ترجمہ

مے جنگل کے خشک و تر میں ہر اک چیز ممکن ہے

بنالیتا ہوں سوئی، جو شجر منبر نہیں بنتا

کاروانِ شب جو لوٹا مہر عالم تاب نے چھینے مارے گل پہ، میرے گریہ بیتاب نے

چشمِ نرگس سے، مے اشکوں نے، دہویا خواب کو اور کہا سبزے سے نالوں نے کہ اب بیدار ہو

بویاک مصرع، ملی حاصل میں تیغ سبز فام  
 میرا تار نالہ صرف کسوٹ گلشن ہوا  
 میں ہزاروں صبح رٹھتا ہوں گریباں میں نہاں  
 راز ہائے بطن گیتی کا مجھے ادراک ہے  
 جو ابھی باہر نہ آیا نیستی کی خاک سے  
 شاخ پر جو گل نہ آیا، وہ مے دامن میں ہے  
 درہم و برہم ہوئی را مشگری کی انجمن  
 ہمیشہ نعموں سے میرے کس طرح ہوں آشنا  
 رسم دنیا اور آئین فلک نا دیدہ ہوں  
 بند ہے اب تک مے سیما میں آشفستگی  
 کوہ کو رنگ حنا میرا سا مل سکتا نہیں  
 ڈر رہا ہوں اسلئے میں ان کو دکھلاتے ہوئے

باغباں نے آزیبا جب مرا زورِ کلام  
 میسر ہی اشکوں کے دانوں کو چمن میں بچا  
 ذرہ ہوں پر میرے قبضے میں ہے خورشید جہاں  
 جامِ جم سے کبھی کہیں روشن یہ میری خاک ہے  
 باندھتی ہے فکر وہ آہو مرے فتراک سے  
 جو آگ سبز نہ اب تک، وہ مرے گلشن میں ہے  
 میں ہوتا رگ عالم پہ جب مضرا بزن  
 سازِ فطرت ہے زمانے میں ہرانا درنوا  
 عالم ہکاں میں اک خورشید نوزائید ہوں  
 میری جولانی نہ دیکھی چشمِ انجم نے ابھی  
 بحر کو میری ضیاء کے رقص سے بہا نہیں  
 یہ جہاں تا آشنا ہے میرے محسوسات سے

مطلعِ خاور سے جب پیدا ہوئی میری سحر  
 انتظارِ صبح خیزاں کرتے کرتے تھک گیا  
 نغمہ ہوں لیکن ابھی زخمی سے بے پردہ ہوں  
 یہ زمانہ محرمِ اسرار ہو سکتا نہیں  
 میرا یوسفِ رونقِ بازار ہو سکتا نہیں  
 میکہ مطاب کے نہیں میرے رفیقانِ قدیم  
 قلمِ اجاب ہے مانندِ شبنم بے خروش  
 میرا نغمہ ہے جہاں کا وہ جہاں ہی اور ہے  
 سینکڑوں شاعر ہیں ایسے، مے کے جو زندہ ہوئے  
 مر گئے جب وہ تو شمعِ بزمِ دوراں ہو گئے  
 اس درائے کا ڈال کا کارواں ہی اوہ ہے  
 اپنی آنکھیں بند کیں اور ہم کو بینا کر گئے  
 صورتِ گلِ خاک سے اپنی نمایاں ہو گئے  
 مثلِ گامِ ناقہ لیکن وہ بہت خاموش تھے  
 شورِ محشر پیشِ خدمت ہے مرے ہنگامے کا  
 ٹوٹ جاتے سازِ میرا اس سے میں ڈرتا نہیں  
 نغمہ شوریدہ یاربِ اتار کے بس کا نہیں

قطرہ بہتر ہے مرے سیداب سے بیگانہ ہو  
 ظرف جو میں کب سے وسعت بحرِ عمماں کے لئے  
 سمعتِ گلزار جس غنچے کے اماں میں نہیں  
 پالتی ہے بھلیوں کو میری جان ناتواں  
 میرے دریا کے مقابلہ اگر صحرا ہے تو  
 چشمہ آب بقا آیا جہاں میں میرے بات  
 ذرہ بھی سوزنوا سے میرے زندہ ہو گیا  
 راز گو مجھ سا جہاں میں اور ہو سکتا نہیں  
 مجھ سے آکر پوچھ لے اسرارِ عیشِ جاوداں  
 ہو سمندر ہی کوئی، اس کا اگر دیوانہ ہو  
 وقت ہو جا میں سمندر میرے طوفاں کے لئے  
 وہ مرے ابر پہاری کے لئے شایاں نہیں  
 میری جولانگاہ کا کوہ و بیاباں اک نشاں  
 لے مری بھلی کو دامن میں، اگر سینا ہے تو  
 مجھ کو خالق نے بنایا محرمِ رازِ حیات  
 اور جگنو کی طرح پرکھوں کر اڑنے لگا  
 اور کوئی یہ دُرِ معنی پر و سکتا نہیں  
 دیکھ لے افکار میں میرے زمین و آسمان

پیر گردوں نے کہے ہیں مجھ سے اسرارِ حیات

کس طرح اپنے نذیموں سے چھاؤں کوئی بات؟

ساقیا بھرے خدا کے واسطے یہ جام بھی!  
 کامراں ہو جاتے تیرے فیض سے ناکام بھی!

اصل زمزم جس کی ہے، وہ آتشیں پانی پلا  
 آدمی کی فکر کو کرتا ہے جو ہشیار اور  
 بخشیدتا ہے وقار کو ہجو اک کاہ کو  
 خاک تیرہ کو بناتا ہے ثریا آستان  
 خامشی کو شورش محشر بنا دیتا ہے جو  
 ساقیا بھرے مرا ساغز شراب نا ہے  
 تاشناسائے رہ منزل دل آوارہ ہو  
 جستجوئے تازہ سے ہو جاؤں میں تا گرم و  
 نور بن جاؤں غرض میں اہل دل کی آنکھ کا  
 قیمت جنس سخن کو تا دو بالا کر سکوں  
 کھول دوں دنیا پہ پھر فیضانِ پیر دم سے  
 جان رومی عشق کے شعلوں سے ہے سرا یہ دار  
 وہ کہ ہے اس کا گدا جمشید اپنے وقت کا  
 دیدہ بیدار کو کرتا ہے جو بیدار اور  
 شیر کی قوت عطا کرتا ہے جو روباہ کو  
 قطرہ ناچیز کو کرتا ہے بحر بے کراں  
 سرخ خون باز سے کرتا ہے پائے کبک کو  
 دور کرتا رکھی افکار کو مہتاب سے  
 آشنائے ذوق بے تابی مرا نظارہ ہو  
 اور رہوں لذت شناس آرزوئے نو بہ نو  
 اور جہاں کے کان میں ہو جاؤں گم مشل صدا  
 چاہتا ہوں بس میں شامل آنسوؤں کو بھی کڑوں  
 سینکڑوں درہائے بستہ مخزن اسرار کے  
 میں جہاں میں ایک دم کی روشنی مثل شمرا کے

شمع نے مارا ہے اک شبنوں مے پروانے پر اور شرابِ ناب نے حملہ کیا پمانے پر  
 خاک کو میری کیا اکسیر پیر روم نے کر دیئے جلوے ہویدا اس غبارِ تیرہ سے  
 ایک ذرہ خاکِ سحر کا سوئے گردوں چلا تاکہ دامنِ تھام لے جا کر شعاعِ مہر کا  
 موج ہوں میں، اسکے دریا میں گر منزل کروں ہے یقین کوئی گرا نما یہ گہر حاصل کروں

میں، کہ ہے اس کی شرابِ ناب سے مستی مری  
 اس کے انفاسِ مبارک سے ہے میری زندگی

شب مرا اندوگیں دل مائل فرما دیتھا شورشِ یارب سے ہنگامِ سکوت آباد تھا  
 مبتلائے شکوہ بے مہری دوراں تھا میں اور تھی پیمانہ اپنا دیکھ کر نالاں تھا میں  
 طائرِ نظارہ اس پر واز میں اتنا تھا کا بال دپر ٹوٹے، گرا، گرتے ہی محو خواب تھا  
 خواب میں آیا مرے پیر حقیقت آشنا وہ زبانِ پہلوی میں جس نے قرآن لکھ دیا  
 اور کہا مجھ سے کہ اے دیوانہ اربابِ عشق بڑھ کے لے تو بھی تو اک جامِ شرابِ ناب عشق  
 اور اپنے دل میں کر ہنگامہ محشہ بیا توڑے شیشہ کو سر پر آنکھ میں نشتر گا

چھوڑ دے یہ تہمتیں اور نالہ ہائے زار کر  
 غنچہ ماں کب تک رہیگا باغِ دوراں میں خوش  
 ہیں ترے دل میں بھی ہنگامے بہت مثلِ سپند  
 اپنی رگ رگ سے تجھے اے بے نوا! مثلِ جرس!  
 آگ سے ہو، بزمِ عالم تجھ سے روشن کیوں ہو؟  
 کھول دے محفل پہ تو پیرمغاں کے راز کو  
 مار دے پتھر پہ تو آئینہ افسوس کو  
 نیستاں کا بانسری کی طرح پھر پیغام دے  
 اپنے نالوں کے لئے اندازِ نوا ایسا بلو کر  
 تم کا اک نعرہ لگا، زندوں کو بیانِ تازہ د  
 اٹھ کے ہو پھر جادہ آئینِ نو پر گام زن  
 آشنائے لذت گفتار ہونا چاہئے  
 خون کے آنسو بہا اور ٹکڑے ٹکڑے کر بگر  
 چاہئے ہونا تجھے گل کی طرح نکہت فروش  
 آگ پر رکھ محملِ دل کو ذرا اے ارجمند!  
 چاہئے خواہیدہ نالوں کو جگانا ہر نفس  
 اپنے شعلوں سے جلا افسردگانِ خام کو  
 کسوتِ بینا پہن، موجِ شرابِ ناب ہو  
 توڑ دے چوراہے پر اس شیشہ ناموس کو  
 قیس کو آگاہ کر دے قومِ حے کے راز سے  
 بزم کو پھر ہائے و ہوائے تازہ سے آباد کر  
 تاہوں احساساتِ پیدان میں اپنی زلیبت کے  
 سر سے اپنے دور کر دے جوشِ سودا کہن  
 اے درائے کارواں! بیدار ہونا چاہئے

لگ گئی میرے بدن میں آگ اس تقریر سے اور ہوا ہنگامہ آرا نالہ شبیگر سے  
اپنے بستر سے اٹھایوں تاسے جیسے صدا اور کانوں کے لئے فردوس کا سماں کیا

آشکارا کر دیا میں نے خودی کے راز کو  
بے حجابانہ دکھایا اک چھپے اعجاز کو

تھی جہاں میں میری ہستی ایک نقشِ ناتمام ناقبول و ناکس و ناکارہ گویا محض نام  
عشق کی صیقل گری نے مجھ کو آدم کر دیا عالمِ اسماءِ چون و چند عالم کر دیا  
میں نے دیکھا ہے فلک کی حرکتِ اعصاب کو اور رگوں میں چاند کی دورانِ خونِ ناب کو  
واسطے انساں کے روئی ہیں آنکھیں کتنی رات! تب کیا ہے چاک میں نے پردہٴ رازِ حیات  
رکھتی تھی سینے میں جس کو کارگاہِ ممکنات میں نے افتنا کر دیا وہ رازِ تقویمِ حیات  
میں، کہ جس نے اس ندھیرے میں جالا کر دیا کچھ نہیں اک ناکِ پاہوں ملتِ اسلام کا  
شہرہ جس ملت کا باہر حیطہٴ اندازہ سے دل میں شعلے مشتعل جس کے سرودِ تازہ سے  
ذرہ بو کر مہرِ رختاں جس نے حاصل میں لئے بھر لئے خرمن ہزاروں رومی و عطار کے



ہوں سراپا آہ منزل ہے مری چرخ بریں      گو کہ ظاہر میں دہواں ہوں غلقتہ ہوں آتشیں  
میرے خامے نے مری فکر رسا کے زور سے      کھول کر افلاک کے اسرار پہناں رکھ دیئے

تاکہ قطرہ جان لئے ہم پایہ دریا ہوں میں  
ذرہ بھی سمجھے حریت و سعتِ صحرا ہوں میں

اس سخن گوئی سے میرا شاعری منشا نہیں      بت پرستی، بتگری، ہرگز مرا شیوا نہیں  
فارسی نا آشنا ہوں، اہل ہے ہندی مری      ہے مرا پیمانہ خالی ماہِ نو ہوں میں ابھی  
حسنِ اندازِ بیاں کی مجھ سے مت امید کھ      خوالسار و اصفہاں کی مجھ سے مت امید کھ  
گرچہ شیریں ہے بہت ہندی بھی بے چون چورا      ہے مگر طرزِ زبانِ فارسی شیریں سوا  
ہو گیا مسحور اس کے حسن سے فکر رسا      بن گیا ہے شاخِ نخلِ طور یہ خامہ مرا  
مجھ کو خالق نے دیا ذہن رسا، فکر بلند      اس لئے مجھ کو زبانِ فارسی آئی پسند

نکتہ چینی! میری شرابِ ناب سے ہو پہرہ در  
عیب اگر دنیا میں ہو کوئی تو کچھ پروا نہ کر

اس بیان میں کہ نظام عالم کی اصل خودی سے ہے اور تعینات  
وجود کی زندگی کا تسلسل استحکام خودی پر موقوف ہے۔  
ہم جہاں کہتے ہیں جس کو، ہیں یہ آثار خودی  
سورہی تھی جب خودی غیر خدا کچھ بھی نہ تھا  
دیکھتی ہے آنکھ جو کچھ، ہیں یہ اسرار خودی  
جاگتے ہی عالم پسند ار پیدا ہو گیا  
ایسے عالم سینکڑوں پوشیدہ اس کی ذات میں  
ہے وجود غیر اس کی ذات کے اثبات میں  
دشمنی کا بیج آ کر اس جہاں میں بودیا  
آپ ہی کو غیر سمجھا، یہ غضب کیسا کیا!  
تامتزے حاصل ہوں اس کو لذت پیکار کے  
غیر کے پیکر بناتی ہے وہ اپنے ہاتھ سے  
اور خوش ہوتی ہے اپنا امتحاں لے لے کے وہ  
مارتی رہتی ہے ان کو قوت بازو سے وہ  
جس طرح خوں سے وضو گل کے لئے سین جیات  
خود فریبی ہے خودی کے واسطے عین جیات  
سینکڑوں شیون نوائے شوقِ ملیل کے لئے  
سینکڑوں باغوں کا خوں کرتی ہے اک گل کے لئے  
سینکڑوں اُس لئے گڑھے اک حرف کی خاطر مقال  
اک فلک کے واسطے پیدا کئے صد ہا بلال!  
کہتی ہے، از بہر تکمیل جمال معنوی  
اور جو پوچھو کیوں، یہ اسرار ادبیں دلی

اور نافی کو بنایا عذرِ آہوئے ختن  
 شمع کو عذران کی جانبازی و محنت کا کیا  
 تاکہ اک دن صبح فرمائے قیامت دیکھ لے  
 تب کہیں روشن کیا ہے اک محمّد کا چراغ  
 ہے کبھی عامل کبھی معمول و اسباب و علل  
 مارتی مرقی، اُگاتی اور جلاتی ہے وہی  
 اس کی گردِ راہ سے یہ آسماں موجِ عمار  
 رات اس کے خواب سے، دن اس کی بیداری سے ہے  
 اور خرد کو جزو کا وارفتہ و شیدا کیا  
 خود پریشاں ہو گئی صحرا کو پیدا کر دیا  
 جمع کر کے اپنے اجزا بن گئی کہسار وہ  
 اس کی قوت ہے نہاں ہر شے میں اے مَدِ سلیم!

حسنِ شیریں کو بنایا عذرِ درو کو بہن  
 سوزِ پیہم کو جو پروانوں کی قسمت میں لکھا  
 سینکڑوں امروزی کے نقشے بنا کر رکھ دیئے  
 لاکھوں ابراہیم کو دکھلا دیئے شعلوں کے باغ  
 اس جہانِ آب و گل میں بہراغراضِ عمل  
 بھاگتی اور دوڑتی، اٹھتی اٹھاتی ہے وہی  
 اس کی جو لانگاہ ہے یہ وسعتِ ییل و نہار  
 باغِ عالم میں یہ رونق اس کی گل کاری سے ہے  
 اپنے شعلے سے شمر کر کو اس نے اک حصّہ دیا  
 اپنے ٹکڑے کر دیئے اجزا کو پیدا کر دیا  
 اور پریشانی سے جس دم ہو گئی بزار وہ  
 خود نما ہونا خودی کی ایک عادت ہے قدیم

قوتِ خاموش ہے لیکن ہے یتیبِ عمل  
اور عمل کے ساتھ ہے پابندِ اسبابِ عمل

ہے جہاں کی زندگی وابستہ زورِ خودی  
قطرے نے حرفِ خودی جس وقت ازبر کر لیا  
بادہ بے پیکر ہے حبِ اپنی خودی میں خام،  
اور پیکر اپنا رکھتا ہے اگرچہ جامِ مے  
کوہ نے اپنی خودی کھوئی تو صحرا ہو گیا  
موج جب تک موج رہی ہے تہِ آغوشِ بحر  
دید کی خواہش جب تک آنکھ میں جنبش رہی  
سبزے نے اُگنے کی قوت پائی اپنی ذات سے  
شمع نے پہنائی خود زنجیر اپنے آپ کو  
آپ کو کھویا بنا کر خود گداز می کا شعار  
جتنی محکم ہے خودی اتنی ہی محکم زندگی  
اپنی ہستی تک مایہ کو گھس کر لیا  
اپنے پیکر کے لئے منت پذیر جام ہے  
یہ ہمارا اپنی گردش کے لئے محتاج ہے  
شکوہ سنج جو شش طوفانِ دریا ہو گیا  
رہتی ہے زورِ خودی سے وہ سوارِ دوشِ بحر  
اس سے ہوتی ہی رہیں پیدا شعاعیں نور کی  
پھاڑ ڈالاسیئہ گلشن کو اپنے ہات سے  
کر لیا دروں سے جب تعمیر اپنے آپ کو  
اپنی آنکھوں سے گرمی وہ مثلِ شکِ سوگوار

سخت فطرت میں اگر کچھ اور ہو جاتا نگیں  
 زخم پھر اس طرح اپنے دل پہ وہ کھاتا نہیں  
 جب کہ ہو جاتا ہے نام غیر سے سرمایہ دار  
 بوجھ سے اس نام کے کرتا ہے سینے کو فگار  
 جب زمیں اپنی خودی میں ہوگی ثابت قدم  
 چاند اس گرد کرتا ہے طوافِ دم بہ دم  
 اور زمیں سے بھی سوا محکم ہے ہستی مہر کی  
 پس زمیں محتاج ہے اس کی نگاہِ مہر کی  
 ہوتی ہیں حیران آنکھیں دیکھ کر شانِ چنار  
 جس کی سطوت سے ہے کوہستانِ بنِ سراپا دار  
 آگ کے شعلوں سے اسکے پیرن کا ہے طراز  
 اصل ہے اسکی فقط اک دائرہ گردنِ فراز

قوتوں سے ہوتی ہے جس دم خودی سرمایہ دار

کرتی ہے ندی سے پیدا بھرنا پید اکسار

اس بیان میں کہ حیات خودی تخلیق و تولید مقاصد سے وابستہ ہے۔

مدعا ہی سے ہماری زندگی کی ہے بقا  
 مدعا ہی کا روان زندگی کا ہے درا

ہے فقط پیہم تلاش و جستجو میں زندگی  
 ہے فقط مضمحل سلسل آرزوں میں زندگی

آرزو کو اپنے دل میں زندہ رکھ اے مرد کار  
 ورنہ بن جائیگی مشتِ خاک تیری اک مزار

آرزو ہے بے خبر! جانِ جہانِ رنگ و بو  
 رقصِ دل سینوں میں ہے ہر دم اسی زور سے  
 اس سے اڑنے کے لئے تیار مشتِ خاک بھی  
 دل کی ہے لے دیکھے سوزِ آرزو سے زندگی  
 آرزوئے نو پہ نو سے دل اگر خالی ہوا  
 آرزو پر ہے تنگ و تازِ خودی کا انحصار  
 آرزو صیدِ مقاصد کے لئے ہے اک کمند  
 آدمی بے آرزو کے فی الحقیقت مردہ ہے  
 دیدہٴ بیدار کیا ہے اہل میں اے ہوشیار؟  
 کبک کو پاؤں دیتے ہیں شوخیِ رفتار نے  
 ہو گئی جب بانسری اپنے نیستاں سے جدا  
 عقل جو گیتی نوردِ آسماں پر وانہے  
 بے یہاں ہر چیز کی فطرت امینِ آرزو  
 اس کی تابانی سے بن جاتے سینے آئینے  
 خضرِ رہ بن جاتی ہے یہ موسیٰ ادراک کی  
 غیر حق کی موت ہے جب دل میں یہ پیدا ہوئی  
 شہیر پر داز ٹوٹے اور زیں پر آ رہا  
 آرزو بحرِ خودی کی ایک موج بے قرار  
 آرزو ہے دفترِ افعال کی شیرازہ بند  
 جس طرح گرمی نہ ہو تو شعلہ بھی افسردہ ہے  
 لذتِ دیدار نے کر لی ہے صورت اختیار  
 دی ہے یہ منقارِ بلبل کو نواسے زار نے  
 ہو گیا زنداں سے اس کا نغمہ بھی آخر ہل  
 تو سمجھا بھی ہے کچھ نادان! یہ کیا راز ہے؟

آرزو سے زندگی ہوتی ہے جب سہرا ڈیوار  
 آرزو سے ہوتی ہے پیدا یہ عقل طرف کار  
 کیا ہے نظم قوم اور کیا ہیں یہ آئین رسوم؟  
 اور ہیں کیا چیز یہ انواع و اقسام علوم؟  
 آرزو حد سے بڑھی اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی  
 پھر ہر اک ٹکڑے نے پیدا کر لی ایک صورت نئی  
 دست و دندان کیا ہیں اور چشم و داغ و گوشت کیا؟  
 اور یہ فکر و تخیل اور شعور و ہوش کیا؟  
 زندگی نے جنگ کے میدان میں جب رکھا قدم  
 کر لئے آلات یہ اپنے تحفظ کے بہم  
 آگہی ہرگز نہیں ہے علم و فن سے مدعا  
 غنچہ و گلبن نہیں جیسے چمن سے مدعا  
 علم و فن سا ماں ہیں حفظ زندگی کے واسطے  
 ہیں یہی اسباب تقویم خودی کے واسطے  
 زندگی کے علم و فن ہیں خانہ زادائے کامکا  
 زندگی کے علم و فن ادنیٰ سے ہیں خدمت گزار  
 زندگی کے راز سے غافل ذرا ہوشیار ہوا  
 اور کیفیت بادہ مقصود سے سرشار ہوا  
 ایسا مقصد صبح کے مانند جو تابندہ ہو  
 ماسویٰ کے حق میں جو اک آتش سوزندہ ہو  
 ایسا مقصد آسمانوں سے کہیں بالا ہو جو  
 دلستانی، دلربائی میں بہت یکتا ہو جو  
 برق بن کر خرمن دنیائے باطل پھونک دے  
 اور عالم میں بہا اک فتنہ محشر کرے

رکھتی ہے تخلیق مقصد زندگی سے کامیاب

آرزو کے دم سے قائم ہے ہماری آبتاب

اس بیان میں کہ خودی عشق سے مستحکم ہوتی ہے۔

نور کا وہ ایک نقطہ نام ہے جس کا خودی	جو ہمارے تن میں ہے ہنسلِ شرارِ زندگی
وہ محبت کے سبب سے اور بھی ہے استوار	ہے اسی سے وہ درختاں و راسی سے پائدار
اس کے جوہر میں چمک ہوتی ہے پیدا عشق سے	ارتقا ہوتا ہے اس کی قوتوں کا عشق سے
اس کی فطرت عشق سے ہوتی ہے جب آتش بجائے	روشنی سے اس کی ہوتا ہے منور اک جہاں
عشق کو تلوار کا ڈر ہے، نہ کچھ خنجر سے باک	عشق کی طینت میں کب داخل ہیں آب و دغا
عشق صلح و آشتی ہے عشق ہی پیکا ہے	عشق ہی آبِ بقا ہے، تیغ جو ہر دار ہے
عشق کی ادنیٰ نظر سے سنگِ خارا پاش پاش	عشق حق میں طاقتِ حق ہے، یہ سمجھے کوئی کاش!
کے کسی معشوق کی الفت کا سودا اپنے سر	اور پیدا قلبِ یوٹ و نگاہِ لوحِ کر
رکھ کسی کامل کے سنگِ آستاں پر اپنا سر	ہے بنانا اپنی مشرتِ خاک کو اکسیر اگر



پھونک دے تبریز کی سحلی سے خرمن روم کا  
 آ، دکھاؤں تجھ کو میں تو انکھ رکھتا ہے اگر  
 کتنے زیبا، کیسے خوش رو، کس قدر محبوب ہیں!  
 عشق سے اس کے تو انا عاشقانِ سببہ چاک  
 اٹھ کے جا پہنچی زمین سے آسماں پر خاکِ نجد  
 آبرو مسلم کی ہے دنیا میں نامِ مصطفیٰ  
 اور اس کا گھر ہے کعبے کا حرم اے ہوشیار!  
 طالبِ فزائش کی ہے شہ اس کی ذاتِ پاک سے  
 اور غلاموں نے کئے ہیں تاجِ کسریٰ پائمال  
 ہو گئے پیدا، حکومت، قوم اور آئینِ دین  
 کر دیا امت کو لیکن مالکِ تاج و نگین  
 اشک بار آنکھیں ہیں جس دم ہو گیا محو نماز

مثل مولانا نے رومی اپنی شمع کو جلا  
 ہے ترے دل میں ہی اک معشوق پہاں کے خیر!  
 اس کے عاشقِ خوب رویاں جہاں سے خوب ہیں  
 عشق سے اس کے ثریا پر پہنچ جاتی ہے خاک  
 عشق کی کیفیتوں سے آگیا جب اس کو وحد  
 ہے دل و جاں میں مسلمان کے مقامِ مصطفیٰ  
 طور کیا ہے؟ اسکے کاشانے کی اک موجِ عبار  
 ہے ابد اک آن اوقاتِ شہ لولاک سے  
 ٹاٹ کا ٹکڑا ہے اسکے خوابِ راحتِ ہنال  
 وہ شبستانِ حرا میں جب ہو اخلوتِ نشیں  
 کتنی راتوں میں کی آنکھیں ایک دم سوئی نہیں  
 وقتِ جنگ آیا تو اسکی تیغ ہے آہن گداز

معرکوں میں، قاطع نسلِ سلاطین اسکی تیغ  
 اس نے دنیا کے لئے آئین نو پیدا کیا  
 دین کی کنجی سے کھولا دولتِ دنیا کا در  
 توڑ ڈالا اس نے ادنیٰ اور اعلیٰ کا نظام  
 جنگ میں جس وقت اس شاہِ امم کے سامنے  
 تن برہنہ پاؤں تھے زنجیریں جکڑے ہوئے  
 جوں ہی اس عالم میں حضرت کی نظر اس پر پڑی  
 آج اس سے بھی زیادہ آہ بے پردا ہیں ہم  
 اعتبار اپنا ہے محشر میں، شاہِ دو جہاں  
 اس کا لطف و قہر اکِ حمت سے، دنیا کے لئے  
 دشمنوں پر جس نے بارانِ کرم برسایا  
 ہم کہ دنیا میں وطن کی قید سے آزاد ہیں  
 اور ہنگامِ دعائے فتح، آہیں، اس کی تیغ  
 مسدود اقوامِ ماضی کو الٹ کر رکھ دیا  
 لائے گی ثانی کہاں سے اس کا یہ نوعِ بشر  
 اپنے دستِ خوات پر بٹھلا لیا اپنا غلام  
 قید میں اس طرح آئی دخترِ سردارِ طے  
 اپنی گردن کو جھکا رکھا تھا ماسے شرم کے  
 اپنی چادر روئے دختر پر اٹھا کر ڈال دی  
 رو بہ واقوامِ عالم کے بہت رسوا ہیں ہم  
 اور دنیا میں ہماری آبرو کا پاسباں  
 دوستوں کے حق میں یہ، وہ دشمنوں کے واسطے  
 جس سے لائشریب کا پیغام مگے نے سنا  
 ایک ہیں، گو بہ طرف بہر ملک میں آباد ہیں

گو جازمی اور صیتی اور ایرانی میں ہم  
 سب کے سب بدستِ چشمِ ساتی لہجہ میں ہم  
 امتیازاتِ نسب اس نے مٹا ڈالے تمام  
 اس نظامِ قوم کی وہ جان ہے، گو ایک ہے،  
 اس کے دل کا رازِ سرستہ ہماری قوم تھی  
 میری خاموشی میں شورِ عشق اس کا آشکار  
 میں بھلا اس کی محبت کا بیاں کیونکر کروں !  
 ہستیِ مسلم اسی کی اک تجلی گاہ ہے  
 اس کے آئینے کا ہے اک عکس یہ پیکرِ مرا  
 دمِ بدمِ بیبانیِ دل سے مجھے آرام ہے  
 وہ میرا بر بہاری ہے میں اس کا باغ ہوں  
 کشتِ لفت میں جب ان آنکھوں کو میں نے بودیا  
 ہر جگہ شبنم مگر اک صبح خنداں کی ہیں ہم  
 اور جہاں میں متحد مثلِ مے و مینا ہیں ہم  
 اس خس و خاشاک کا چھوڑا نہیں بنا میں نام  
 جیسے ہر تپتی ہزارے کی الگ، بو ایک ہے  
 نعرہ بے باکانہ مارا اس نے، یہ ظاہر ہوئی  
 اسکی الفت کے ہزاروں نغمے مجھ سے ہم کنار  
 روئی ہے فروت میں اسکی خشک لکڑی اشکِ خوں  
 طور پیدا جس سے ہوں وہ اسکی گردِ راہ ہے  
 ہے وجود اس نیرِ اعظم سے میری صبح کا  
 صبحِ محشر سے زیادہ گرم میری شام ہے  
 اسکی بارش سے انگوڑی رگ رگ میں خوں  
 کیا کہوں کیسا تماشا مجھ کو حاصل میں ملا !

خاکِ شرب کے مقابل ہیچ ہیں دونوں جہاں      کتنا اچھا شہر ہے وہ اپنا دلبر ہے جہاں !  
 مار ڈالا مجھ کو طرزِ مولوی جام نے      اس کی نظم و نثر میں پایا علاج اس خام نے  
 ہیں ہزاروں معنی دلکش لباسِ سادہ میں      شعر کیا موتی پروکے ہیں سنائے خواجہ میں

نسخہ کونین را دیباچہ اوست

جہد عالم بندگان و خواجہ اوست (جاہلی)

حاصلِ صد کیفیت صہائے جامِ عشق ہے      اویہ تقلید کیا ہے؛ ایک نامِ عشق ہے  
 کاملِ بسطام جو تقلید میں تھا لا جواب      کر لیا خربوزہ کھانے سے بھی اس نے اجتناب  
 تو بھی عاشق ہے تو پھر ایسی ہی کر تقلید یار      تیرا جامِ عشق بھی ہو جائے گا بزدانِ شرکا  
 اک ذرا اپنے حرائے دل میں کر لے اعتکان      جانبِ حق چل خودی کی چھوڑ کر لاف و گزان  
 حق سے محکم ہو کے پھر خود کی طرف ہو کام زن      اور بن جالات و عزائے ہوس کا بت شکن  
 عشق کی قوت سے پہلے ایک لشکر جمع کر      شوق سے پھر عشق کے فاراں پر ہو جلوہ

تا کہ نازل تجھ پہ ہوں الطاف و افضالِ خدا

اور بنے تو مظہر ائی جاعل فی الارض کا

۱۰ ترجمہ مصطفیٰ اس نسخہ کونین کا دیباچہ ہے      سارا عالم ہے غلام اس کا وہ سب کا خواجہ ہے

اس بیان میں کہ خود ہی سوال سے ضعیف ہو جاتی ہے۔

کے بھی حاصل کیا تھا جس لیے شیروں سے خراج! آج ناداری کے باعث ہو گیا رو بہ مزاج  
 یہ صیبت پر صیبت نتجھ پہ ناداری سے ہے درد کہہ تیرا تھی دستی کی بیماری سے ہے  
 چھین لیتی ہے یہ تجھ سے رفعتِ فکرِ رسا اور کر دیتی ہے گل تیرے تختیستل کا دیا  
 تو بھی میخانے سے ہستی کے مئے گلنفا م لے حاصل آیا م ہے، اس زندگی سے کام لے  
 اونٹ سے فاروقِ اعظم کی طرح نیچے اتر غیر کے احسان سے پرہیز کر! پرہیز کر!  
 مانگتا کتبک پھر گیا منصبِ دولت کی بھیک جیف سے یہ نے سواری مثل طفلانِ رکبک  
 فطرتِ عالی جو ہو تو آسمانوں سے بلند غیر کے احساں ہو جاتی ہے وہ خوار و نثرند  
 ایک مفلس مانگنے سے خوار ہو جاتا ہے اور اور گدائی سے گدا نادر ہو جاتا ہے اور  
 بھیک سے آشفته ہو جاتے ہیں اجزا خودی بے تجلی اس سے نخل طور سینائے خودی  
 اپنی ہستی کو نہ کر برباد اے فرخندہ فال! چاند بن اور اپنی روٹی اپنے پہلو سے نکال  
 نکبت و افلاس کتنا ہی نہ تجھ کو گھیر لے اور بدبختی تجھے سیلِ فنا میں ڈال دے

اپنی روزی نعمتِ اغیار سے حاصل نہ کر  
 تا رسول اللہ کے آگے نہ ہو تو منفعل  
 چاند روزی پاتا ہے سوچ کے دستِ خوان سے  
 ہمتِ حق پر فلک سے برسرِ پیکار ہو  
 گرد سے جس نے بتوں کی پاک کعبے کو کیا  
 حیث اس پر جسکی روزی دوسرے کے خوان سے  
 آپ کو جس نے جلایا برقِ لطفِ غیب سے  
 اے خوشا وہ تشنہ جو ہے دہوپ میں بھی شام  
 مانگنے کی شرم سے ہوتا نہیں جو تریں  
 اس جہانِ آبِ گل میں وہ جوانِ ارجمند  
 جو تہی دستی میں ہو جاتا ہے کچھ خود دار اور  
 بھیک کا قلم نہیں کم آگ کے سیلاب سے  
 چشمہ خورشید سے پانی نہ مانگ اے بے خبر!

حشر کے دن خوب بڑھی شکل میں بولگے جانِ دل  
 داغ رکھتا ہے وہ اپنے دل پر اس حسان سے  
 تانہ شجھ سے ملتِ بیضا زلیل و خوار ہو  
 مرد کا سب کو لقبِ بخشا حبیب اللہ کا  
 جس کی گردن ہو گئی خمِ غیر کے احسان سے  
 نقدِ غیرت کو گنوایا ایک روٹی کے لئے  
 جو خضر سے بھی نہ مانگے پیاس میں پانی کا جام  
 آدمی ہوتے ہوئے جو مشتِ گل بنتا نہیں  
 ناز سے چلتا ہے مانند صنوبرِ سر بلند  
 سخت سوتا ہے تو وہ ہوتا ہے کچھ میدا اور  
 خود ملے شبنم تو بہتر گوہرِ نایاب سے

تو جباب آساگرہ میں غیرت مردانہ رکھ  
بحر میں رہتے ہوئے اپنا نگوں پیمانہ رکھ

اس بیان میں کہ خودی جب عشق و محبت سے مضبوط ہو جاتی  
ہے تو عالم کے قوائے ظاہر و مخفی کو مسخر کر لیتی ہے۔

عالم کون دمکاں پر ہو گئی فرماں روا	جب محبت نے خودی سے زور حاصل کر لیا
یہ خودی کی شاخ سے غنچے کھلے ہیں بے شمار	آسمانوں پر کواکب کے ہیں جو نقش و نگار
چاند بھی اس کا اشارہ پا کے ہو جاتا ہے شق	اس سے ہوتا ہے ظہور قوت بازو کے حق
سر جھکا دیتے ہیں اس کے سامنے دارا و جم	وہ جہاں کے باہمی جھگڑوں کی بنتی ہے حکم
تھا سوادِ ہند میں نام اس کا روشن بے گمان	آکناؤں تجھ کو شاہِ بوعلی کی داستاں
وہ گلِ رعنا کی جس نے ہم کو پہنچائی شمیم	وہ کہ تھا اک نشہ پیرا بلبلِ باغِ قدیم
اس کے دامن کی ہوا سے ہو گئی مینو سواد	جنتِ ہندوستان ٹھی اہل میں آتش نراو
اور شرابِ بوعلی کے نشتر میں سرشار تھا	اک مرید اس کا روانہ جانبِ بازار تھا

عالم شہر اس طرف آتا تھا گھوڑے پر سوار  
اس سے اک چادش نے بڑھ کر کہا اے بے خبر!  
یہ جھکائے سر یونہی چلتا رہا مرد فقیر  
جام استکبار سے تھا مست چادش پلید  
سینکڑوں جس کی جلو میں تھے غلام و چوبدار  
ہند یوں رستہ جلو دارانِ عامل کا نہ کر  
غوطہ زن تھا اپنے بحرِ سفر میں وہ راہ گیر  
سر پر اسکے کھینچ کر اک چوبِ دستی کی رسید  
پر بہت افسردہ خاطر، ناخوش و دل گیر تھا  
اور اک سیلابِ شک آنکھوں سے جاری کر دیا  
سیلِ آتشِ شیخ کی باتوں سے جاری ہو گیا  
حکم اس غصے میں اس نے اپنے منشی کو دیا  
اس فقیر بے نوا سے جانبِ سلطان لکھ  
خرمن ہستی کو اپنے نذر آتش کر دیا  
سو نیتا ہوں دوسر کو ورنہ تیرا تختِ تاج،  
جسمِ شہ پر دیکھتے ہی اس کے لرزہ پر دگیا



اور چہرہ منظرِ آلام ہو کر رہ گیا      زرد مثلِ آفتابِ شام ہو کر رہ گیا  
پہلے اک زنجیرِ عامل کے گلے میں ڈالی      پھر قلندر سے معافی کے لئے تدریس کی  
خمسرو ہندوستان، شیریں باں انگلیں بیاں      جس کے نغمے آئینہ دارِ رموزِ کن و کان  
وہ کہ فطرت اسکی روشن تھی مثالِ ماہِ تہا      شہ کی جانب سے ہوا بہرِ سفارتِ انتخاب  
بارگاہِ بوعلی میں حبیب ہوا نغمہ سرا      شیشہ جاں کو نوائے درد سے پگھلا دیا  
شوکتِ درویش جو کہسار سے بھی بچتا تھی      قیمتِ یک نغمہ گفتار ہو کر رہ گئی

مت روار کھنا کبھی آزارِ مردانِ خدا

آتشِ سوزاں کا گر چکھنا نہ ہو تم کو مرزا

اس معنی میں کہ نفی خودی کا مسئلہ اقوامِ مغلوبہ کی اختراعات سے ہے۔

جو اس پوشیدہ طریقہ سے اقوامِ غالبہ کے اخلاق کو ضعیف کرتی ہیں۔

کیا سنی تو نے کبھی وہ داستانِ دل نشیں؟      بھیریں کچھ اک مرغزارِ تازہ میں آباد تھیں

کھانس کی کثرت تھی اور افزائشِ اولاد تھی      اور وہ بھیروں کی دینا فکر سے آزاد تھی

حب غریبوں کا مقدر ہو گیا، سازگار  
 شیر اس جنگل کے آخران سے واقف ہو گئے  
 جذب استیلا ہے قوب کا ہمیشہ سے شعار  
 شیر نرنے آ کے اعلان شہنشاہی کیا  
 کام ہی دنیا میں شیروں کا ہے کیا بغیر شکار  
 گو سفند اک ان میں، جو چالاک اور فہید تھی  
 تھی جو بد سختی سے اپنی قوم کی سینہ و کار  
 جب بہت کچھ گردشِ وراں کے شکوے کر چکی  
 وقت پر اپنی حفاظت کے لئے ہر ناتواں  
 بندگی میں بند ہو جاتا ہے جب ہر راستا  
 پختہ ہو جاتا ہے جب دل میں جنونِ انتقام  
 بھیڑنے دل میں کہا، اب چارہ مشکل نہیں!  
 ہو گئیں تیرے بوائے ناگہانی کا شکار  
 تاک میں ہر لحظہ سنجون کے لئے رہنے لگے  
 فتح مندی کا مرانی، اس کا رازِ آشکار  
 حریت سے بھیڑ کو محسوس مکیس کر دیا  
 خون سے ہونے لگا بھیڑوں کے رنگین مغزار  
 کہہ سالی کے سب سے گرگِ باراں دیدہ تھی  
 اور شیروں کے مظالم سے بہت زار و نزار  
 آخر اپنے کام کی تدبیر محکم اس نے کی  
 کام میں لاتا ہے عقلِ جیلہ گر کو بے گماں  
 قوتِ تدبیر پھیلاتی ہے اپنے دست و پا  
 سوچنے لگتی ہے فتنے سینکڑوں عقلِ غلام  
 اب ہمارے قلمِ غم کا کوئی ساحل نہیں!

بھیڑکی طاقت کہاں، پائے جو شیریں سے نجات  
 غیر ممکن ہے کہ وعظ و پند سے کوئی بشر  
 شیر نر کو بھیڑ کر دینا مگر آسان ہے  
 پہلے اپنے آپ کو شیروں کا پیغمبر کہا  
 اس قدر خائف ہے کیوں اے قوم ظالم کینہ و  
 غور سے سن مایہ دار دولت ایمان میں  
 دیدہ کا بے نور کی آیا ہوں بن کر روشنی  
 جلد ان ناپاک کاموں سے گزر رہا ہے  
 تیز و زور آدر تو ہوتا ہے زیاں کار و شقی  
 پاک و حوں کی ہے ناداں لگھانس اور چارہ غذا  
 تیزی دیناں تجھے رسوا کرے گی ایک دن  
 ناتوانوں کا، ضعیفوں کا ہے جنت مستقر  
 آہ وہ فولاد بازو اور نازک اپنے ہات  
 گو سفندوں کو سکھائے خوتے گر گب کینہ و  
 شیر کو چاہے بنانا بھیڑ، وہ نادان سے  
 پھر زراہ پندان سے اس طرح جا کر کہا  
 بے خبر ہے تو عذاب روز محشر سے مگر؟  
 اور شیروں کے لئے پیغمبر سزا دان میں  
 میں تمہارا پیشوا یعنی خدا کا ہوں نبی  
 اے زیاں اندیش افکر نفع کرنا چاہئے  
 زندگی اپنی بنانی ہے تو چھوڑ اپنی خودی  
 چھوڑ دے جو گوشت کھانا ہے وہ مقبول خدا  
 دیدہ بیدار کو اعمیٰ کرے گی ایک دن  
 باعث نقصان ہے قوت، ہوش میں آ بے خبر!

تنگدستی ہے امارت سے جہاں میں خوب تر  
 دانہ ہو جائے اگر خرمن تو ہے اس کا قصور  
 تاصیائے مہر عالم تا بے حصہ ملے  
 ذبح کر خود کو کہ اے ناداں یہ ہے رتبہ بڑا  
 تیرا یہ جو روستم، یہ انتقام و اقتدار  
 گردِ خوابِ مرگ کو آنکھوں سے دہوتے بار بار  
 اور اگر تو آپ سے غافل نہیں دیوانہ ہے  
 تاکہ ہو تیرا تختل ہم سرچرخ بلند  
 یہ خیالی چیز ہے دہوکا نہ کھالے بے یقیں!  
 کر چکا تھا دل میں ذوقِ تن پرستی اپنا گھر  
 کھا گئے وہ اپنی خامی سے فریبِ گوسفند  
 کر لیا اب اس نے دینِ گو پندی اختیار

ہے تلاشِ عظمت و دولت سرا سر شور و شر  
 گھات میں دانے کی کب ہتی ہے بجلی بے شعور  
 ذرہ بن، صحرانہ بن گر عفل و دانش ہے تجھے  
 ذبح کر گے گوسفندوں کو ہے کیوں نازاں بھلا!  
 زندگی کو تیری کرتا ہے بہت ناپائدار  
 سبزہ پامال دیکھا سبز ہوتے بار بار  
 غافل اپنے آپ سے ہو جا، اگر فرزانہ ہے  
 چشم و گوش و لب کو اپنے بند کر اے ارجمند!  
 یہ علف زار جہاں کچھ بھی نہیں کچھ بھی نہیں!!  
 سخت کوشی تھی گراں شیرانِ خوںِ شام پر  
 آگئی فوراً انھیں یہ پندِ خوابِ آور پند  
 جیف جو کرتا تھا پہلے گوسفندوں کا شکار

سازگار آئی جو شہروں کو چراگاہِ علف      ہو گیا بالآخر ان کا گوہرِ شیریں خزون  
 گھاس سے وہ تیزی دنیاں بھی رخصت ہو گئی      ہمیتِ چنمِ شرارِ افشاں بھی رخصت ہو گئی  
 آہ پہلو میں نہ کچھ دل کا اثر باقی رہا      آئینے سے جو ہر آئینہ رخصت ہو گیا  
 دل سے وہ جوشِ جنونِ کوششِ کامل گیا      وہ تقاضائے عمل، خضرِ طریقِ دل گیا  
 اقتدار و عزم و استقلال رخصت ہو گیا      اعتبار و عزت و اقبال رخصت ہو گیا  
 پہنچے ہائے آہنی بے زور ہو کر رہ گئے      مر گئے دل، تن سراسر گور ہو کر رہ گئے  
 زورِ تن جب گھٹ گیا تو خوفِ جاں پیدا ہوا      خوفِ جاں پیدا ہوا، سرمایہٴ ہمت گیا  
 ہو گئے صد ہا مرض پیدا، جو ہمت ہار دی      بیدلی، کوتاہ دستی اور کمی نہ فطرتی

بھیڑ کے افسوں سے آخر سو گیا شیرِ ثریاں

اور تنزل پر ہوا تہذیب کا اس کو گماں

اس معنی میں کہ افلاطون یونانی، کہ تصوف اور اقوامِ اسلامیہ کے اویسیا

نے اس کے افکار سے بہت زیادہ اثر قبول کیا ہے۔ مسلکِ گوسپندی پر

گام زن تھا اس لئے اس کے شخصیات سے بچنا واجب ہے۔

تھا جو سرتاجِ گردہ گو سپندان قدیم	راہبِ دیرینہ، وہ مشہور افلاطون حکیم
اور کوہستانِ بہت و بود ہی کا ہو رہا	جس کا گھوڑا ظمتِ معقول میں گم ہو گیا
اعتبار اپنے ہی اعضا کا نہیں باقی رہا	اس پر اہنوں چل گیا تھا ایسا ناموس کا
شمع کے بجھنے میں آئے اس کو سوجلوے نظر	زندگی کا راز مرنے میں بتا یا مستتر
جام سے اس کا بڑا خواب اور ودانشِ رُبا	ہو چکا ہے وہ ہماری فکر پر فرماں روا
حکم اس کا گردن صوفی میں ہے مثلِ کند	درحقیقت ہے لباسِ آدمی میں گو سفند
عالمِ اسباب کو ظالم نے افسانہ کہا	ماورائے چرخ اپنی عقل کو پہنچا دیا
کاٹ ڈالی اس نے شاخِ سرورِ عنایات	کام تھا اس کا فقط تحلیلِ اجزائے حیات
بود کونا بود بتلاتی ہے اس کی عقلِ خام	فکرِ افلاطون نے رکھا ہے زیاں کا سود نام
اس کی چشمِ ہوش نے پیدا کیا ہے اک سراپ	اس کی نظرتِ سوگئی جس دم تو دیکھا ایک خ اب
اس لئے سوجانِ دل سے عاشقِ محرم تھا	لذتِ سعی و عمل سے لبکہ وہ محروم تھا

تھا جہاں میں منکر ہنگامہ موجود وہ  
 زندہ دل کے واسطے یہ عالم امکان ہے خوب  
 اس کے آہونے گنوا یا موت میں لطفِ حرام  
 اس کی کشنم میں نہ تھا کچھ طاقتِ رم کا نشان  
 بن گیا تھا خالقِ اعیانِ نامشہود وہ  
 مردہ دل کے حق میں جیسے عالمِ اعیان ہے خوب  
 لذتِ رفقا اس کے سہس پر بالکل حرام  
 اس کے طائر کا تھا سینہ دم سے خالی بے گنا  
 اور تڑپنے کا نہیں پر دانے میں اس کے اثر  
 کیونکہ اس عوفاے عالم کا اُسے یارانہ تھا  
 سخلہ افسردہ کی الفت میں ہارا اپنا دل  
 اور افیون خوردہ دینا سے لگا یا اپنا دل  
 آسٹیاں کو چھوڑ کر ایسا سو گردوں اڑا  
 رخ نہ پھرا اپنے نشین کی طرف اس نے کیا  
 ہاں خیال اس کا خم گردوں میں جا کر گم ہوا  
 یہ نہیں معلوم تلچھٹ یا کہ خشتِ خم ہوا

قوم اس کے نشے سے مسموم ہو کر رہ گئیں

لذتِ اعمال سے محروم ہو کر رہ گئیں

حقیقتِ شعرا اور اصلاحِ ادبیاتِ اسلامیہ کے بیان میں۔

گرم رُو انسان کو رکھتا ہے داغِ آرزو  
 آرزو سے زندگی کا، مے سے ہے لہریز جام  
 زندگی تسخیر کا مضمون ہے اور کچھ بھی نہیں  
 زندگی صیاب ہے اور اس کا ہے دامِ آرزو  
 دل میں آخر کس لئے ہوتی ہے پیدامِ بدم  
 جو بھی ہے دنیا میں زیبا و جمیل و خوشنما  
 نقش تیرے دل میں جس کا بیٹھتا ہے استوار  
 حسن ہے دنیا میں خلاق بہارِ آرزو  
 سببِ شاعر ہے دنیا میں تجلی زارِ حسن  
 وہ بن جاتا ہے شاعر کی نگہ سے خوب تر  
 اس کے دم سے باغ میں سکھی ہے بلبل نے نوا  
 یہ اسی کے سوز کی تاثیر پر وانوں میں ہے  
 خاک کو آتش بناتا ہے چراغِ آرزو  
 آرزو سے زندگی ہے گرم خیز و تیز گام  
 آرزو تسخیر کا افسوں ہے، اور کچھ بھی نہیں  
 حسن کو عاشق کی جانب سے ہے پیغامِ آرزو  
 آرزو۔ یعنی نوائے زندگی کا زیر و بم  
 ہے بیابانِ طلب میں وہ ہمارا رہنما  
 آرزو کرتا ہے تیرے دل میں پیدا بار بار  
 جلوہ زارِ حسن ہے پروردگارِ آرزو  
 سینہ شاعر سے پیدا ہوتے ہیں انوارِ حسن  
 اس کے افسوں سے ہے فطرت کی نوا محبوب تر  
 اور اسی کے غانے سے رخسارِ گل روشن ہوا  
 اور اسی کا رنگ یہ الفتِ افسانوں میں ہے



بحر و برکی و سعیتیں پوشیدہ اس کے گل میں ہیں  
 ذہن میں اس کے ہزاروں بے اُگے لائے بھی ہیں  
 ہم لشینِ ماہِ و انجم اس کی تخیسِ رسا  
 خضر ہے ظلمات میں اس کی نہاںِ حیات  
 ہم جو بے حد سست رو، نا پختہ کارِ سادہ ہیں  
 اس کا بیل اس گلستاں میں نوا پیرا ہوا  
 تاکہ دکھلائے ہمیں لے جا کے فردوسِ حیات  
 چلنے لگتے ہیں یہاں اس کی دراپرِ قافلے  
 وہ ہمارے گلستاں کے واسطے موزعِ صبا  
 اس کی ترغیبوں سے بنتی ہے خود افزا زندگی  
 اس کی ترغیبوں سے بنتی ہے خود افزا زندگی

اپنے دسترخوان پر دیتا ہے عالم کو صلا  
 کرتا ہے ارزاں وہ اپنی آگ کو مشعل ہوا

جیف ہے اس قوم پر جو موت سے ہو بہرورد  
 رشت رو کو آئینہ اس کا دکھائے خوشنما  
 اور شاعر اس کا ذوقِ زندگی سے بے خبر  
 اس کا بوسہ چھین لے رخسارِ گل سے نازگی  
 شہد میں اس کے چہما ہوز ہر شتر سے سوا  
 مست کر ڈالے نئے اعصاب کب اس کی اقم  
 لوٹ لے بلبل کے دل سے لذتِ پرواز بھی  
 اس کے دم سے ذوقِ رعنائی ہے بے پروہڑ  
 مار کر رکھ دیں تجھے اس کے خیالاتِ ستیم  
 ایسی مچھلی، جو کہ ہے سینہ سے سترک آدمی  
 اور دم سرو اس کا شاہین کو بناتا ہے تدر  
 اور نہایتِ آشیائ کی طرح دریا میں مچھلی  
 اس کی کشتی کو تہ دریا سلا دیتی ہے جو  
 جس کے نغمے تیرے دل سے لوٹ لیتے ہیں تباہ  
 موت گونگو جس کے جادو سے سمجھتا ہے حیات  
 لعلِ عنابی چڑا لیتا ہے تیری کان سے  
 اور بنا دیتا ہے وہ مذموم ہر محمود کو  
 اور عمل سے تجھ کو بیگانہ بنا دیتا ہے وہ  
 وہ خراب و خستہ اس کے شعر سے ہم خستہ حال  
 اس کے دورِ جام سے یہ بزمِ عالم خستہ حال

اس کے نیساں میں کبھی سبلی نہیں دیکھے گا تو      یاغ ہے اس کا حقیقت میں سرابِ تنگِ لبو  
 حسن میں اس کے صداقت کا نہیں نام و نشان      ہیں بہت بے آب موفی اس کے دریا میں نہاں  
 خواب کو سمجھا ہے پیداری سے ظالم خوشنما      اپنے دم سے آگ کو سینوں میں ٹھنڈا کر دیا  
 اس کے کیلے کا ترنم زہر سے قاتلِ سوا      اس کے پھولوں کے تلے سویا ہوا ہے آزدیا

ہیں ہلاکت آفریں اس کے خم و مینا و جام

زہر سے کچھ کم نہیں اس کی مے آئینہ فام

اے کہ تو اس کی شرابِ ناب سے خستہ جگر      اے کہ اس کے مشرقی مینا سے ہے تیری سحر  
 اس کے نعوس سے ترا دل جوش سے ٹھنڈا ہوا      کان کے رستے سے تو نے زہرِ قاتلِ پی یا  
 اے کہ لپتی کی طرف رہبرِ ترا انداز ہے      اور تہی مایہ نوا سے تیرا تارِ ساز ہے  
 اس قدر اپنی تن آسانی سے زار و ناتواں !      دہریں تنگِ مسلمانی ہے اب تو بے گماں  
 باندھ سکتی ہے رگِ گلِ تجھ کو اے مردِ سلیم !      خستہ و مجروح کر سکتی ہے اک موجِ نسیم !  
 عشق ہے رسوا زمانے میں تری فریاد سے      زشت رو تو تصویر ہے اس کی تھے بہزاد سے

اس کا پہرہ زرد ہے ظالم تمہے آزار سے  
 خستہ جاں وہ ہو گیا ہے خستہ جانی سے تری  
 تیری سردی سے ہے وہ محروم سوزنا سے  
 ناتواں وہ ہو گیا ہے ناتوانی سے تری  
 کچھ نہیں ابہں کے گھر میں آہ و نالہ کے سوا  
 گریہ طفلانہ نہ پیمانے میں اس کے رہ گیا  
 روزن کا شانہ سے جلوے چرانا اس کا کام  
 بھیک سے بھانے کی سرشار رہتا ہے مدام  
 اور درباؤں کی ٹھوکر سے بچارہ مردہ ہے  
 غمزدہ ہے اور افسردہ ہے اور آزدہ ہے  
 آسماں کے ظلم سے ہر وقت لب پر شکوہ ہے  
 ہو گیا ہے وہ غموں سے سوکھ کر مانند نے  
 ناتوانی، لاغری اک ہمدم دیرینہ ہے  
 مگر وکینہ آج اس کا جوہر آئینہ ہے  
 عشق ہے اور لپت بخت و زیر دست و دوں نہادا  
 عشق ہے اور ناسزا و نا امید و نامراد!  
 اس کے نالوں نے اربابا چشم ہمایہ سے خوا  
 اس کے شبیوں نے کیا ہے تیرا قدر جاں خراب

حیف ایسے عشق پر ہے جس کا شعلہ بجھ گیا

کعبے میں پیدا ہوا بت خانے میں جا کر مرا

اے کہ تو رکھتا ہے اپنی جیب میں نقد سخن  
 رکھ عیار زندگی پر اس کو لے مخدوم من

فکر روشن بین ہے دنیا میں غسل کی رہنما  
 فکر صالح چاہئے، گر بے تجھے شوق ادب  
 عشقِ سلیمانے عرب میں دل کو کر پین نیاز  
 تو نے گلِ صینی جن زارِ عجم کی خوب کی  
 گرمی صحرا کا بھی تھوڑا سا حاصل کر مزا  
 دیکھ تھوڑی دیر اس کی راحتِ آغوشِ گرم  
 مدتوں تور شیم و سنجاب میں لوٹا کیا  
 تو نے سیرِ گلستاں میں قرن کھوئے ہیں بہت  
 خود کو اب نورِ یگ سوزاں پر بھی چل کر آزا  
 مثلِ بلبلِ نالہ و شیون کر گیا کب تلک!  
 اے، ہوا بھی تیرے کمنِ دام سے ہے ارجمند  
 آشیانہ برق کے پہلو میں ہونا چاہئے  
 جیسے بجلی کی چمک دیتی ہے بارش کا پتا  
 فکر صالح کے لئے پھر لوٹ آسو عرب  
 تاکہ شامِ کر د سے پیدا ہو پھر صبحِ حجاز  
 خوب تو نے نو بہارِ ہند و ایراں دیکھ لی  
 بادۂ دیرینہ خزا بھی لہجھ لے ذرا  
 اس کی گرم آندی میں بھی لے چل ذرا یہ جسم نرم  
 آپ کو کر پاس کی سختی کا بھی خوگر بنا  
 اپنے عارضِ مثلِ گلِ شبنم سے دہوئے ہیں بہت  
 کچھ دنوں اب چشمہ زمزم میں بھی غوطے لگا  
 ان چمنِ زاروں میں تو آخر ہے کا گلِ تنک!  
 آشیانہ تو بنا اپنا سرِ کوہِ بلند  
 شاہِ بازوں کے لشمن سے بھی اونچا چاہئے

تاکہ تو ہو جائے مردِ کارزارِ زندگی

شعلہ زن ہو جسم و جاں میں شریے نارِ زندگی

اس بیان میں کہ تربیتِ خودی کے تین مرحلے ہیں۔ اول کو اطاعت

دوسرے کو ضبطِ نفس اور تیسرے کو نیابتِ الہی کہتے ہیں۔

## مرحلہ اول اطاعت

صبر و استقلال کی دینا کا ہے ہر کارہ اونٹ	نت خدمت سے خوش رہتا ہے کیا بچاؤ اونٹ!
کارواں کے واسطے، اک کستی صحرا ہے وہ	نور قدموں کا نہیں کچھ راہ جب چلتا ہے وہ
کم خور و کم خواب، اور محنت سے اس کو واسطا	نش پا ہے اس کا ہر جنگل کی قسمت میں لکھا
خوش چلا جاتا ہے وہ، کیسی ہی منزل کیوں نہ ہو	ست ہے وہ، خواہ زیر بارِ محمل کیوں نہ ہو
اور سفر میں صابر و قانع سوا آسوا سے	مہر خوش و مہر شہار ہے کیفیتِ رفتار سے
تاکہ لطفِ عندہ حسن المآب آئے نظر	نوبھی سرتابی بونہی اپنے فرائض سے نہ کر

کی طاعت میں ذرا کوشش کرائے غفلت شعراً  
 لاعت مجبور سے ناکس بھی ہو جا تا ہے کس  
 کر تو سکتا ہے شکار ماہ و پرویں تو، مگر  
 گل کے ننداں ہا نہ میں رہ کر ہوا خوشبو بنی  
 جانبِ منزل رواں ہے انجم سیما ب پا  
 سبزہ؛ جو پیدا منو کے دین وائیں پر ہوا  
 منقل چلنا ہے حبِ قانونِ لالہ بے گماں  
 قطرے دریا بن گئے ہیں، مہل کے آئین سے  
 جب کہ آئیں سے ہر اک شے کا قوی دل ہو گیا  
 تو بھی آزاد اے مسلمان! اپنے آئیں سے ہو  
 جبر کر اپنے پتہ تا حاصل ہو تبھ کو اختیار  
 سرکشی سے آگ کو دیکھا ہے ہوتے ہم نے خس  
 پہلے اپنے آپ کو آئین کا پابند کر  
 اور پو پابند ہو کر نافِ آہو بنی  
 کس قدر پابند ہے چلنے میں وہ آئین کا  
 ترک یہ آئین کیا، پامال ہو کر رہ گیا  
 کس قدر اس کی رنگوں میں خوش رہتا ہے واں  
 ذرے صحرا بن گئے ہیں، وصل کے آئین سے  
 پھر تولے نادان کیوں آئین سے غافل ہو گیا  
 زینتِ گردن بنالے پھر اسی زنجیر کو

شکوہ سنجِ سختی آئین ہوا بے عمل  
 اور حدودِ مصطفیٰ سے اس طرح باہر چل

## مرحلہ دوم۔ ضبط نفس

نفس ہے کس درجہ خود پرور تر ایشِ شتر! خود سرچی خود پرستی سے ہے اس کا سینہ پُر  
 مرد بن کر ہاتھ میں لے اپنے تو اس کی مہار تاکہ اس دنیا میں قائم ہو ترا عز و وقار  
 جو نہیں ہوتا ہے اپنے آپ پر فرماں روا وہ ہوا کرتا ہے تابع دوسروں کے حکم کا  
 آب و گل سے تیرے پیکر کی رکھی جس دن بنا خوف و الفت کو نزی تعمیر میں اخل کیا  
 خوفِ عقبی، خوفِ دنیا، خوفِ ایماں، خوفِ جاہِ خوف کیسے! خوفِ آلامِ زمیں و آسماں  
 حبِ دولت، حبِ جاہ و مصیبتِ وطن حبِ فرزند اور حبِ اقربا و حبِ زن  
 امتزاجِ آب و گلِ تن پروری کی ہے دلیل کشتہ منکر ہمیشہ اور فحشا کا قتل  
 ہاتھ میں حب تک ہے تیرے عصا لا الہ ہر طلسمِ خوف کو باطل بنا سے لا الہ  
 جس تن نازک میں حق کے زور جاں پُر گئی اس کا سر باطل کے آگے جھک نہیں سکتا کبھی  
 خون کو سینے میں اس کے راستہ ملتا نہیں یعنی اس دل میں غیر اللہ کا کھٹکا نہیں



خوش ہے وہ، اقلیم لائیں جو کوئی آبا ہے  
 کیا زن و فرزند ہر اک فکر سے آزاد ہے  
 ماسوا سے اس قدر کرتا ہے وہ قطع نظر  
 راہ میں حق کی گوارا اس کو ہے زنج پسر  
 ہے اکیلا وہ سچوم فوج و لشکر پر گراں  
 جان بھی ارزاں سے اس کو مثل باد بکراں  
 لالہ ہے اک صدف اور اس کا گوہر ہے نماز  
 اور دل مسلم کے حق میں حج اصغر ہے نماز  
 ہاتھ میں مسلم کے یہ شمشیر خون آشام ہے  
 قتلِ فحشا نہی و منکر بس اسی کا کام ہے  
 روزہ درماں ہے پیاس اور بھوک کے امراض کا  
 خیر تین پروری کو توڑتا ہے ہر مٹلا  
 فطرتِ مومن جلا پاتی ہے حج کعبہ سے  
 بھول جاتا ہے وطن کو مومن اس کے واسطے  
 ایسی طاعت، جو کہ اک سرمایہ جمعیت کا ہے  
 جس سے قائم ربط باہم فرد اور ملت کا ہے  
 حربِ دولت کو زکوٰۃ مال کرتی ہے فنا  
 اور حتیٰ الفقیر سے دل کو کرتی ہے قوی  
 اور بناتی ہے مسلمان کو مساوات آشنا  
 زر کی افزائش ہے اس، الفتِ زر کی کمی  
 واسطے ترے یہ سب کچھ وجہ استعظام ہے  
 پختہ ہے تو بھی، اگر محکم نرا اسلام ہے

یا قوی کے ورد سے رکھ اپنی طاقت برقرار  
 تاکہ تو اس اُستِرخاکی کا ہو جائے سوار

## مرحلہ سوم۔ نیابت الہی

ہو گیا تو اپنے خاکی اونٹ پر جس دم سوار  
تو جہاں آرار ہے گاحب تلکے یہ جہاں  
اس جہاں میں نائب حق بن گئے یہنا خوبے،  
حق کا نائب بالیقین ہوتا ہے اس عالم کی جاں  
اس کو ہوتی ہے رموزِ جزو و کل پر آگہی  
عرضہ عالم میں جب کرتا ہے وہ خیمہ سپا  
وہ نمائش چاہتا ہے فطرتِ محمور کی  
یہ جہاں کیا اسپیکروں ایسے جہاں جزو و کل  
ہم اس کا پے کرے وہ پختہ ہر اک خام کو  
نار دل مضرا ہے اس کی ہمیشہ نغمہ زنا  
تیرا سرتاج سلیمانی سے ہوگا تاج دار  
ملک لاییلے کا سر پر تاج ہوگا بے گماں  
حکم راں ہونا عناصر پر بہت محبوبے،  
ہے جہاں میں اس کی ہستی ہم غلم کا نشاں  
اور خدا کے حکم پر چلنا ہے اس کی زندگی  
ختم کر دیتا ہے قصہ اس بساطِ کہنہ کا  
خود بنا لیتا ہے اپنے واسطے دنیا نئی  
اس کی کشتِ فکر سے ہوتے ہیں پیدائشِ نکل  
اور بیت اللہ سے باہر کرے اصنام کو  
حق کی خاطر اس کا سونا، حق کی خاطر جاگنا

اور بھرتی ہے ہر اک چیز میں رنگِ شباب  
 اور سپاہی کبھی، سپہ سالار بھی ہے اور امیر  
 سرِ سبحان الذی اسریٰ اسی کی ذات ہے  
 قدرتِ کامل صفت، ایک افسانے علم کی  
 اور ہو جاتا ہے چابک یہ سمندر روزگار  
 مصر سے لیکر نکل جاتا ہے اسرائیل کو  
 جس طرح سرو و صنوبر درمیان گلستاں  
 اور اس کے دہلیزے سے سائے عالم کی نجات  
 اس کے سروائے سے یہ ہستی عالم بے بہا  
 اس کے اندازِ عمل کی شان ہے ہر دم نئی  
 پھرتے میں سینا میں، اس کے سو کلیم آوارہ دار  
 اور خوابِ زلیت کی کرتا ہے تعبیریں نئی

وہ بڑھاپے کو سکھا دیتا ہے آہنگِ شباب  
 ذات ہے اس کی بشیرِ نوحِ انساں اور زندہ  
 مدعا کے علمِ لاسما راسی کی ذات ہے  
 اس کا روشن ہاتھ یاریِ عصا ہے قوی  
 ہاتھ میں لیتا ہے کی پلگِ جبِ شہسوار  
 اس کی ہیبت خشک کر دیتی ہے روڈ نیل کو  
 اس کی قلم سے گورتن میں زندہ ہو جاتی ہے جاں  
 ہے جہاں کے واسطے توجیہ محکم اس کی ذات  
 اس کا سایہ ڈرے کو کرتا ہے خورشید آشنا  
 اپنے اعجازِ عمل سے بخشتا ہے زندگی  
 اس کے نقشِ پا سے جلوے ہوتے ہیں پیدا ہزار  
 زندگی کی وہ بیان کرتا ہے تعبیریں نئی

درحقیقت اس کی ہستی زندگی کا راز سے  
 اور ساری زندگی کی اک عجب آواز ہے  
 طبع موزوں بند فطرت خون ہو ہو جاتی ہے  
 تب کہیں اک بیت اسکی ذات کی بن آتی ہے  
 اپنی مشت خاک جا پہنچتی ہے اگے دوں کے پار  
 اس غبارِ تیرہ سے پیدا ہو شاید وہ سوا  
 اپنی اس خاکسٹر امروز میں اے با صفا!  
 شعلہ فردائے عالم سوز ہے سو بنا ہوا  
 اپنے غنچے میں ہے پوشیدہ بہارِ گلستاں  
 آنکھ کو رکھتا ہے روشن صبح فردا کا سماں  
 شہسوارِ اشہبِ دوراں! خدا را جلد آ  
 لے فرغ دیدہ امکاں! جمال اپنا دکھا  
 آہ خدا را رونق ہنگامہ ایجاد ہو  
 اور آنکھوں میں بہا رہی آ کے تو آباد ہو  
 آہ کہ پھر یہ شورِ شہِ اقوام ہو جائے خموش  
 اپنے نغموں کو بنا دے آ کے تو فردوسِ گوش  
 بادۃ العنت کا ہر اک دل چھلکتا جام ہو  
 پھر جہاں میں لا خدا کے واسطے ایام صلح  
 جنگ کے شیدائیوں کو آ کے دے پیغام صلح  
 کاروانِ زندگی کے واسطے منزل ہے تو  
 کشت زارِ نوعِ انساں کے لئے حاصل ہے تو  
 آہ ہما سے باغ میں لے باغ عالم کی بہار  
 کچھ نہیں چھوڑا گلستاں میں خزاں نے برگِ با

سینکڑوں سجدے جو انوں اور پورھون کچھوں کے آہ ہمارے شرمگیس پشیمانوں سے نذر لے

پہلے تیری ذات سے مل جائے ہم کو اعتبار

پھر جہاں کے سونے سے ہو جائیں گے ہم سازگار

## اسماءِ علی مرتضیٰ کے اسرار کی شرح میں

مُسلم اول، ولی حق، شہ مردانِ علیؑ

عشق و الفت کے لئے سرمایہ ایمانِ علیؑ

العت صارق سے اس کے دو دماغ کی زندہ پو

اس محبت تری سے میں مثل گہر تابندہ ہوں

ترگیں جہراں ہوں میں وارفتہ نظارہ ہوں

بونے گل کی طرح اس کے باغ میں وارہ ہوں

زرم ابلے میری مٹی سے تو ہے اس کا کرم

اور مئے انگوسے پیکے جوئے اس کا کرم

خاک ہوں، اسکی محبت مگر آئینہ ہوں

دیکھ لو آواز سینے میں، وہ روشن سینہ ہوں

دیکھ کر اس کی طرف حضرت نے یہ فرما دیا

ملت بیضا کا اس سے دیدہ بالا ہوا

اور فرمایا کہ ہے یہ قوت دینِ مبین

آل سے اس کی منورگیں گے دینا اور دین

حق نے فرمایا بید اللہ اس شہید ہے کتاب  
 جان سکتا ہے وہی اسرارِ اسما و حسی  
 عقل جس کے ظلم سے ہے مبتلائے مدد من  
 آدمی کو پہرا اور اندھا بنا دیتی ہے جو  
 سالکانِ راہِ حق جس سے زبوں ہستہ جگر  
 کر دیا اس خاک کو روشن مثلِ آئینا  
 ہو گیا اقلیم تن کو فتح کر کے "بو تراب"  
 اس قدر اس کے گھر کی آب خود داری سے ہے  
 پھر کر لے آئے مغرب کی طرف سے آفتاب  
 حاکمِ دولت پہ بیٹھا ہے وہی مثلِ نیکیں  
 اُس جہاں میں ہاتھ اس کا قاسم کو ٹر بے  
 اور یدِ اللہی کی قوت سے شہنشاہی کرے

مرسلِ حق نے لقب اس کو دیا ہے "بو تراب"  
 جانتا ہے جو کوئی دنیا میں رازِ زندگی  
 وہ سیدِ تاریخ مٹی نام ہے جس کا بدن  
 فکرِ عالی کو زمیں پہیما بنا دیتی ہے جو  
 ہاتھ میں جس کے ہوس رانی کی شمشیر دوسر  
 اپنا تابع اس کو جب شیرِ خدا نے کر لیا  
 مرتضیٰ، تلوار سے جس کی ہوا حق کا میاب  
 وہ جہاں میں مردِ کشور گیرِ کراہی سے ہے  
 اس طرح دنیا میں ہو جائے جو کوئی بو تراب  
 اسپ تن پر جسے بانڈھا ہے یہاں مضبوط زین  
 ہے شکوہِ خیبر اس عالم میں پیروں کے تلے  
 وہ خود آگاہی کی دولت سے یدِ اللہی کرے

اس کی ذات پاک ہے ”دروازہ شہر علوم“  
 تابع فرماں بنالے تو بھی اپنی خاک کو  
 خاک ہو جانا تو ناداں! مذہب پروانہ ہے  
 سخت ہو پتھر سا اے گل کی طرح نازک بدن  
 زبر فرماں اسکے ہیں چین و حجاز و شام و روم  
 تا ترے انگور سے پیدا شراب ناب ہو  
 خاک ہو جانا تو ناداں! مذہب پروانہ ہے  
 سخت ہو پتھر سا اے گل کی طرح نازک بدن  
 باپ بن اس خاک کا، یہ شیوۂ مردانہ ہے  
 تاکہ قائم تجھ سے ہو بنیادِ دیوارِ چمن  
 خاک سے تیری بنے انسان، وہ تدبیر کر  
 گریباے گانہ تو اپنے لئے دیوار و در  
 اور انساں کے لئے تازہ جہاں تعمیر کر  
 تیری مٹی سے بنا جائیں گے غمیں کے گھر  
 اے کہ تیرا جام ہے فریادی بیدار و تنگ  
 کب تلک یہ سینہ کو بیہا ہے پیہم کب تلک!  
 لے خبر! یہ نالہ و فریاد و ماتم کب تلک!  
 کوشش پیہم میں پوشیدہ ہے مضمونِ حیات  
 لذتِ تخلیق ہے دراصل قانونِ حیات  
 اٹھ کے پھر اک بار خلاقِ جہاں تازہ ہو  
 آگ میں گر کر، چن آرا خلیل آوازہ ہو  
 گم جہاں نامساعد سے تجھے چار انہیں  
 کیا یہ میدان میں سپر انداز ہو جانا نہیں!  
 ہوتی ہے اس موافق گردشِ لیل و نہار  
 جو کوئی اپنی خودی سے ہے جہاں میں پنختہ کا

جنگ کرتا ہے وہ دور آسماں سے بے گماں

اور عطا کرتا ہے اک ترکیبِ نوذرات کو

اور بدل دیتا ہے یکسر چرخِ نیلی قام کو

وہ زمانہ، جو طبیعت سے ہو اس کی سازگار

کر کے اپنے زور کو صرف مہماتِ عظیم

پھول چننا آگ کے شعلوں سے مانندِ خلیل

جن کو کرتی ہے فقط مشکل پسندی آشکار

ہے اسی آئین پر موقوف ان کی زندگی

اور سرمایہ ہے اس کا ذوقِ استیلا و تمام

دائع وارِ سکتہ اس کے بیتِ موزونِ حیات

نا توانی کا قناعت نام اس نے رکھ لیا

اور کم خوف وریا سے اس کا آلبستن ہے دیکھا!

اور اگر ہوتا نہیں اس کے موافق یہ جہاں

کھود کر رکھ دیتا ہے بنیادِ موجودات کو

ڈھالتا ہے طرزِ نو میں گردشِ ایام کو

اپنی قوت سے وہ کرتا ہے جہاں میں آشکار

آزما تا ہے جہاں میں صاحبِ قلبِ سلیم

ہے مزا الفت کا دشواری میں اے مردِ عقیل

قوتیں رکھتے ہیں پوشیدہ بہت مردانِ کار

اور کم طرفوں اکینوں کا ہے شیوہ دشمنی

زندگانی ہے جہاں میں قوت و سہولت کا نام

عفو بڑھا ہے دلیلِ سردیِ خونِ حیات

کاہلی سے جو کوئی قعرِ مذلت میں رہا

نا توانی زندگی کی راہِ کارہ زن ہے دیکھا



اس کا باطن ہے مکارم اور فضائل سے تھی  
 ہو شیار و بانبرا اے صاحبِ عقلِ سلیم !  
 گریصیرت تجھ کو سائل ہے فریب اس کا نہ کھا  
 اس کی صورت کو خورد منڈوں نے پہچانا نہیں  
 رحم اور نرمی کبھی بنتی ہے اس کی پردہ دار  
 اس کا پردہ ہے کبھی مجبوری دے چارگی  
 جب کہ تن آسانی کی صورت میں یہ ظاہر ہوا  
 اور تو انانی جہاں بھی ہے صداقت ساتھ ہے  
 زندگی ہے کشت زار اور اس کا حاصل زور ہے  
 مدعی، قوت کا جو دنیا میں مایہ دار ہے  
 زور سے ہوتی ہے باطل میں بھی پیدائشِ حق  
 اس کی گن سے زہر ہو جاتا ہے کوثر کی مثال  
 شیر سے اس کے ذائقہ کو ہے حاصل فریہ  
 بیٹھتا ہے سینکڑوں گھاتوں میں یہ پرفتنِ غنیم  
 مثلِ حربازنگ ہر دم اس کا ہے بدلا ہوا  
 کیونکہ بے پردہ کسی کو یہ نظر آتا نہیں  
 اور کبھی یہ اور ڈھ لپتا ہے ردا کے انکسار  
 اور نقاب اس کا کبھی معذوری دے مایگی  
 صاحبِ قوت کا دل بھی ہاتھ سے جاتا رہا  
 ساری خوبی دین اور دنیا کی اس کے ہاتھ ہے  
 بلکہ تفسیرِ رموزِ حق و باطل زور ہے  
 اس کا دعویٰ بے نیازِ حجت و تکرار ہے  
 قوتوں سے اپنی کر دیتا ہے یہہ نطلانِ حق  
 خیر کو کہہ دے جو شر ہو جا شر لے قیل و قال

آہ! آدابِ امانت سے ہوا وہ بے خبر جس کو خالق نے بنایا دو جہاں سے خوب تر  
 ایسا ناواقف نہ رہ تو زندگی کی راہ سے اے مسلمان اظالم و جاہل ہو غیر اللہ سے  
 اے برادرِ چشم و گوش و لب تو اپنے کھول دے  
 مجھ پہ سنس لینا جو راہِ حق نہ مل جائے تجھے

حکایت ایک نوجوانِ مروزی کی جو حضرت سید مخدوم علی  
 بھوپریؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ظلم اعدا سے فریاد کرنے لگا۔  
 سید بھوپریؒ، وہ آقا و مخدومِ امم جس کی تربیت پیرِ سنجر کے لئے بیت الحرم  
 کر کے طے جس نے ہستونوں کا مشکل سلسلا ہند کی بنجر میں تخم سجدہ بویا  
 زندہ اس کی ذات سے پھر عہدِ فاروقی ہوا اس نے پھر دینا میں حق کا بول بالا کر دیا  
 وہ جہاں میں پاسبانِ عرتِ ام الكتاب اس کی چشمِ حق مگر سے خانہ باطل خراب  
 خاکِ پنجاب اس مسیحا دم سے زندہ ہو گئی نوز سے اسکے ہماری صبح پیدا ہو گئی

عاشقِ کامل جہاں میں، قاصدِ طرادِ عشق  
 آؤ، میں اس کی سنا ہوں تمہیں اک استاں  
 اک جوانِ خوب جو قامت میں مثلِ سرو تھا  
 اور ہوا حاضر حضورِ سید والا حباب  
 عرض کی حضرت سے محصورِ صفِ اعدا ہوں میں  
 مجھ کو سکھلا دے خدا را اے شہِ گردوں مکاں  
 پیر روشن دل، کہ اسکی ذات میں شانِ جہاں  
 یوں لگا کہنے کہ "اے نامحرمِ رازِ حیات  
 بے خبر! تو نارِغِ اندیشہِ اغیار ہو  
 آپ پر جس دم گماںِ شیشہ کا پتھر نے کیا  
 راہ رونے ناتواں اپنے کو جب باور کیا  
 کب تلک کہتا ہے گا آپ کو تو آبِ دگل

آشکار اس کی جبینِ پاک سے اسرارِ عشق  
 اک کلی میں بند کرتا ہوں گلستاں کا بیاں  
 چل کے شہرِ مرو سے لاہور میں وارد ہوا  
 تاکرے دور اس کی تاریکی کو نورِ آفتاب  
 ہر طرف پتھر کی بارشِ بیج میں مینا ہوں میں  
 کس طرح پتے ہیں زندہ دشمنوں کے درمیاں  
 ایسی والبتہ جلالِ شان سے تھی گویا جلال  
 تیری نظروں میں نہیں انجام و آغاز حیات  
 قوتِ خوابیدہ ہے تو بھی ذرا بیدار ہو  
 شیشہ بن کر کیا لیا پھر ٹوٹ جانے کے سوا  
 اپنے تقدیرِ جاں کو رہن کے حوالے کر دیا  
 بے خبر! ہے طور کے جلووں کا حامل تیرا دل

دوستوں سے کس لئے ہوتا ہے ایسا سرگراں  
 تجھ سے بیچ کہتا ہوں میں، دشمن بھی تیرا یا ہے  
 ہے جو اس دنیا میں دانا کے مقاماتِ خودی  
 کشتِ انساں کے لئے دشمن ہے مانندِ سحاب  
 سنگِ رہ ہوتا ہے پانی، ہے اگر ہمتِ قوی  
 سنگِ رہ ہوتا ہے مردوں کو فسانِ تیغِ عزم  
 مثلِ حیواں کھانا پینا اور سونا بیچ ہے  
 آپ کو اپنی خودی سے تو اگر محکم کرے  
 چاہتا ہے گرفتار تو آپ سے آزاد ہو  
 موت ہے اپنی خودی کو بھول جانا جانِ من  
 پہلے یوسفؑ کی طرح اپنی خودی میں گرفتار  
 پاس رکھ اپنی خودی کا اور مردِ کار ہو  
 کس لئے ہوتا ہے ناداں لشکروہِ سنجِ دشمنان  
 اس کی مستی تیرے حق میں رونقِ بازار سے  
 جانتا ہے فضلِ ایزد، ہے اگر دشمنِ قوی  
 اس سے امکاناتِ انسانی میں ہر پانقلاب  
 کوہِ صحرا میں سہلا سیلابِ رکتا ہے کبھی  
 قطعِ منزل سے ہے مقصدِ امتحانِ تیغِ عزم  
 گر خودی محکم نہیں تو تیرا ہونا، بیچ ہے  
 پھر اگر چاہے، جہاں کو درہم و برہم کرے  
 گر بقا منظور ہے تو آپ میں آباد ہو  
 تو سمجھتا ہے کہ مرنا ہے فسراقِ جان و تن  
 پھر اسیری سے شہنشاہی کی جانبِ کفرام  
 مردِ حق بن جانِ من با اور حاملِ اسرار ہو

شرحِ رازِ عشقِ قصوں میں سہا کرنا ہوں میں پھول کو زورِ نفس سے گلستاں کرتا ہوں میں

خوشتر آں باشد کہ سترِ دلبراں  
گفتہ آید در حدیث دیگران لہ  
(مولانا روم)

## حکایت اُس پرندے کی جو پیاس کے مارے بیتاب تھا۔

اک پرندہ پیاس سے کچھ اس قدر بیتاب تھا  
باغ میں میرے کا اک ٹکڑا نظر آیا اسے  
کھا گیا کیسا فریبِ ربزہ خورشید تابا!  
لیکن اُس میرے سے وہ پانی نہ حاصل کر سکا  
اس سے وہ الماس بولا اے گرفتارِ ہوس!  
بے خبر پانی کا میں قطرہ نہیں، ساقی نہیں  
تو مرے در پلے ہوا ہے کس قدر دیوانہ ہے!  
زہرِ قاتل ہے یہ پانی آدمی کے واسطے  
دل نہ تھا پہلو میں اس کے پارہ سیماب تھا  
پیاس کی شدت سے قطرہ آب کا سمجھا اُسے  
سنگِ یزیدِ مرغِ ناداں کو ہوا وسواسِ آب  
خوب ہی ٹھونگیں لگائیں اور تھک کر رہ گیا  
لے کر تو کرتا ہے مجھ پر تیز منقارِ ہوس!  
میں جہاں میں دوہٹوں کے واسطے باقی نہیں  
کیوں جیاتِ خود نما کے راز سے بیگانہ ہے؟  
دیکھتا نکلے نہ اڑ جائیں تری منقار کے

لہ ترجمہ - ہے بہت اچھا محبت میں کہ رازِ دلبراں دوسروں کی بات کے پردے میں ہو جائے بیاں

اس کا مقصد جبکہ ہیرے سے نہ حاصل ہو سکا  
 جب کہ اربانوں کا اس کے اس طرح خون ہو گیا  
 اتنے میں آیا نظر شبنم کا قطرہ پھول پر  
 اس کی آبِ تاب تھی محو سپاس آفتاب  
 ایسا تارہ جسکی عادت رَم جو گردوں زادہ تھا  
 باغ میں آکر فریبِ غنچہ دکھا کھا گیا  
 دیکھنے میں جیسے اشکِ عاشقِ دلِ ادہ ہو  
 وہ پرندہ اڑ کے جبارِ شاخ کے نیچے گیا  
 اے، عدوے جاں بچنے کے لیے مضطر ہے تو  
 جب پرندہ سپاس کی شدت سے جاں برب ہو  
 قطرہ نرم اندام و نازک تھا تو آخر مرے گیا  
 بے خبر حقاہِ دی کے راز سے اک دم نہ ہو  
 وہ پرندہ اس سے ناامید ہو کر چل دیا  
 نغمہ لب پرین کے فریاد و فغاں آنے لگا  
 تھا وہاں جو مثلِ اشکِ حشمِ طبلِ جلوہ گر  
 اور اس کے حسم پر غالب ہر اس آفتاب  
 اور جو دم بھر نمائش کے استادہ تھا  
 زندگی سے اپنی کچھ بہرہ نہ حاصل کر سکا  
 جو سرِ مژگاں نیکنے کے لئے آمادہ ہو  
 قطرہ شبنم ٹپک کر اس کے منہ میں آگرا  
 پوچھتا ہوں تجھ سے میں، قطرہ ہے یا گوہر ہے تو؟  
 دوسرے کی زندگی کو اپنا سرمایہ کیا  
 ریزہ الماس تھا موجود لیکن وہ نہ تھا  
 ریزہ الماس ہو اور قطرہ شبنم نہ ہو

پختہ فطرت اس جہاں میں صورت کھسار بن اور پھر تو حاصل صدا بر گوہر بار بن  
 تو بھی اثباتِ خودی سے مردِ خوش انجام ہو لبتہ کر پاتے کو اپنے اور سیمِ خام ہو

اک نیا نغمہ سنا، لے ہاتھ میں ساڑھِ خودی

بر ملا کہدے بس اب دنیا سے تو رازِ خودی

## حکایت الماس و زغال

پھر میں خسارِ حقیقت سے اٹھاتا ہوں نقاب  
 پھر سناتا ہوں تجھے اک داستانِ لاجواب  
 ایک دن کہنے لگا سپر سے معدن میں زغال  
 اے کہ تو سراپہ دارِ جلوہ ہائے لازوال  
 یار ہیں، ہمد ہیں یکساں، ہماری مہت بود  
 ایک، دنیا میں تیری اور مری اصل وجود  
 میری قسمت میں نگر لکھا ہے کیوں مزا یہاں  
 اور تری قسمت میں ہونا زینتِ تاج شہاں؟  
 میں تو وہ بد شکل، بہتر ہے کہیں مجھ سے خاک !  
 اور تیرے حسن سے آئینہ کا دل بھی ہے چاک  
 میری تاریکی سے روشن ہے بہت مجھ کا نام  
 اپنے جوہر کو جلا کر خاک کرنا میرا کام

مجھ کو ٹھکرا دیتے ہیں سب پائے استحقار سے  
 اور جلاتے ہیں مرا جی سینکڑوں آزار سے  
 اس سرو ساماں پہ مجھ کو کیوں نہڑنا چاہئے؟  
 کیا کسی کا یہ سرو ساماں بھی ہونا چاہئے؟  
 انجماد وود پر ہے زندگی کا انحصار  
 اک شرارِ حسبتہ کالے دے کے میں سرمایہ دار  
 تیری صورت اور سیرت دونوں ہیں انجم مثال  
 نوبہ نوبہ جلووں کا مالک سے ترا حسن و جمال  
 گاہ روشن تجھ سے آنکھیں قیصر و فقہور کی  
 گاہ زیبائش ہے تجھ سے دستہ سا طور کی  
 یہ کہا سیرے نے اس کے رفیق نکتہ ہیں!  
 خاک تیرہ پختہ ہو کر بنتی ہے روشن نیگیں  
 اپنے گرد و پیش سے ہوتی ہے جب مصر و جنگ  
 پختہ ہوتی ہے وہ اس پیکار سے مانندِ سنگ  
 پختگی سے میرا پیکر بھی سراپا نور ہے  
 میرا سینہ سینکڑوں جلووں سے رشک طور ہے  
 خوار ہے دنیا میں تو اپنے وجودِ خام سے  
 اور پڑا جلتا ہے اپنی نرمی اندام سے  
 کون کہتا ہے گرفتِ غم و دوسواں ہو  
 پختہ مثل سنگ ہو کر تو بھی اک الماس ہو  
 ہوتے ہیں اسکی دنیا سے دونوں عالم مستیز  
 جو کہ ہوتا ہے جہاں میں سوت کوش و سخت گیر  
 سنگ اسود کیا نہیں اک مشت خاک لے بے خبر!  
 وہ نکالا ہے گریبانِ حرم سے جس نے سر



رتبہ اس کا طورِ سینا سے مگر بالا ہوا اس جہاں میں بوسہ گاہِ اسود و احمر بنا

الغرض ہے پختگی میں آبرو سے زندگی

نا توانی، ناکسی کی اصل ہے ناپختگی

## شیخ و برہمن کی حکایت اور گنگا اور ہمالیہ کا مکالمہ

اس باب میں کہ حیاتِ مٹی کا تسلسل قوم کی روایاتِ مخصوصہ کے مضبوطی کے ساتھ قائم رکھنے پر موقوف ہے۔

جو ہمیشہ رہتا تھا غرقِ یم بود و عدم	اک برہمن تھا بنا رس میں نہایت محترم
عارفانِ حق کا بھی دل سے رات مندر تھا	علم اور حکمت کا بھی رکھتا تھا سرمایہ بڑا
عقل تھی چالاک اور ادراک تھا کیوں نشیں	ذہن تھا اس کا رسا اور فکر جدتِ آفریں
مہر و مہ تھے شعلہٴ افکار پر اسکے سپند	تھا مکاں اس محترم کا صورتِ عنقا بلند
معرفت کے جام سے بے بہرہ ساقی نے لکھا	ایک مدت کچھ نہ پایا خونِ ارہاں کے سوا

بوستانِ علم و حکمت میں سچا رکھا تھا جال  
 ناخنِ تندیر خون آلود ہو کر رہ گیا  
 ایک دن آخر گیا اک عار و کمال کے پاس  
 اور اس کی گفتگو کو غور سے سننے لگا  
 شیخ یوں کہنے لگا اس طائفِ فلاک سے  
 جب سے تو ادارہ کوہِ ویسا ہاں ہو گیا  
 خاک کے ذروں سے ہو کر بے نیاز اے سحر!  
 میں نہیں کہتا بتوں سے دور ہو، پزار ہو  
 اے امانت دارِ تہذیب کہن، سن تو ذرا!  
 جب کہ ہے والیتہ جمعیت سے ملت کی جیات  
 جب کہ رسمِ کافر ہی میں ابھی کامل نہیں  
 دور ہم تم جا پڑے ہیں جادہ تسلیم سے  
 طاہر معنی کا تھا اس جلال میں آنا محال  
 عقدہ بود و عدم فیکن نہ اس سے کھل سکا  
 مردِ صاحبِ حال یعنی شیخ اہل دل کے پاس  
 چپ رہا ایسا کہ گویا بہت بنا بیٹھا رہا  
 بانڈھ لے ناداں ذرا عہدِ فنا اس خاک سے  
 تیری پروازِ تخیل کی نہیں کچھ انتہا  
 فکر بے حاصل برائے گوہرِ انجمن نہ کر!  
 تو جو کافر ہے تو پہلے لائقِ زنا رہو  
 یوں نہ ٹھکرا مسلکِ آبا کو تو بہرِ خدا!  
 کفر بھی سرمایہ جمعیت کا ہے اے نیک ذات!  
 تو یقیناً درخورِ طوفِ حریمِ دل نہیں  
 دور بے آذر سے تو، میں دورا برہم سے

قیس ہی اپنا ابھی سودائی محمل نہیں قیس ہو کر بھی جنونِ عشق میں کامل نہیں!

تو نے حبِ اپنی خودی کی شمع کو گُل کر دیا

آسماں پیا تختیٰں ہو گیا، تو کیا ہوا!

تھام کر کہسار کے دامن کو دستِ موج سے یوں ہمالہ سے کہا اک روز رو دو گنگنے

”اے کہ ہے صبح ازل سے تو برابرِ بیخ بدویش اور دیاؤں سے ہے تیرا بدن زنا پر پوش

حق نے گو تجھ کو کیا ہے محرمِ چرخ بریں پر تجھے حاصلِ خرامِ ناز کی لذت نہیں

طاقتِ رفتار سے محروم تجھ کو کر دیا اس وقارِ رفعت و تکین میں آخر کیا ملا؟

زندگانی ہے جہاں میں حرکتِ پیہم کا نام جس طرح ہے موج کی ہستی فقط اک رم کا نام“

کوہ نے دریا سے حب یہ طعنہ بیجا سنا مثلِ بحرِ تیش پر غیظ ہو کر یوں کہا

”اے کہ خود کو دیکھتا ہوں میں تم سے آئینے میں تیرے جیسے سینکڑوں دیا ہیں میرے سینے میں

یہ خرامِ ناز ہے نادانِ اسامانِ فنا کھو دیا جس نے خودی کو ہے وہ شایانِ فنا

تو کہ ہے رازِ خودی سے مطلقاً نا آشنا اس لئے نقصان کو سمجھا ہے تو نے فائدہ

مذہبِ ہندو میں تو لاریب گردوں زادہ ہے  
تو نے قلام کے حوالے اپنی ہستی کو کیا  
پر یقیناً تجھ سے بہتر ساحلِ افتادہ ہے  
مشکلِ گل خود دار رکھ گلشن میں اپنے آپ کو  
آہ ناداں! نقدِ جاں کو نذرِ رہزن کر دیا!  
زندگی دراصل اپنے آپ بڑھے کا ہے نام  
نشرِ بوب کے واسطے منت کش گالچیں نہ ہو  
قرن گز سے اس طرح مجھ کو کھڑے لے پر غرور  
اور خیابانِ خودی سے پھول چننا اس کا کام  
میری ہستی بڑھتے بڑھتے ہو گئی گردوں مقام  
تو گماں کرتا ہے ہوں میں کس قدر منزلِ سکور  
اپنی ہستی کو کیا گلشن میں تو نے بے نشاں  
گرد میری رفعتوں سے ہے شریا جس کا نام  
دیکھتی ہیں میری آنکھیں صاف اسرارِ فلک  
اور ہے مسجودِ انجم میری چوٹی بے گماں  
جب سے سوزِ سعیِ پیہم نے جلایا ہے مجھے  
گرد میری رفعتوں سے ہے شریا جس کا نام  
اور ہے مسجودِ انجم میری چوٹی بے گماں  
کان سنتے ہیں مرے آواز پر ہاتے ملک  
آپڑے لعلِ دگر کے ڈھیر میرے سامنے  
آپڑے لعلِ دگر کے ڈھیر میرے سامنے  
آبِ راہِ نارِ من بنو دگزار <sup>۱۵</sup>  
(مولانا روم)

بڑھ کے قلام سے بندو آرا ہو، طوفان سے نہ ڈر  
اور کسی شاہد کے کالوں کے لئے آویزہ ہو  
اب گوہر کر کے حاصل تو بھی گوہرِ ریزہ ہو

۱۵ ترجمہ - پتھروں میں میرے پتھال آگ کو دیکھا نہیں؟ آگ تک میری گوار پانی کا ہو سکتا نہیں۔

یا بلند اپنی خودی کو کر، سبکِ فناء ہو  
ابہ برق انداز ہو یا ابہ دریا بار ہو  
تا سمندر تیرے آگے گدیہ طوفان کرے  
بلکہ تجھ سے شکوہ ہائے تنگی داماں کرے

اور کتر آپ کو سمجھے وہ موجِ آب سے

خاکساری سے نئے قدموں میں آکر گر پڑے“

اس بیان میں کہ مسلمان کی زندگی کا مقصد اعلیٰ کلمتہ اللہ ہے  
اور جہاد، اگر اس کا محرک جوع الارض ہے تو مذہبِ اسلام میں حرام ہے۔  
اے مسلمان! صبغۃ اللہ خودی کو رنگ نہ دے  
عشق کو سرمایہ ناموس و نام و ننگ دے  
عشق ہے مسلم کی فطرت میں تو اک قاہر ہے وہ  
مسلم اور عاشق نہ ہو، مسلم نہیں کافر ہے وہ  
کام ہے مسلم کا ہر دم تابع حکمِ خدا  
اُس کھانا، اُس کا پینا، اُس کا سونا، جاگنا  
مرضی حق، مرضی مومن میں ہو جاتی ہے گم  
بات کو میری مگر باور بھی کر سکتے ہو تم؟  
خیمہ زن میدانِ الا اللہ میں ہے، اسکی ذات  
شاہد حق نوع انسان میں ہے وہ والا صفات  
چھوڑ قبیل و قال تا حاصل مقامِ حال ہو  
نور حق سے کرم نورِ ظلمتِ اعمال کو

بادشاہی میں تجھے درویش رہنا چاہئے  
 اپنے کاروبار کی غایت بنا قرب خدا  
 اور جو حق تلوار سے اس کی نہیں ہوتا بلند  
 کیا سنا تو نے کبھی نام میاں میرِ ولیؐ؟  
 اتباعِ مصطفیٰ میں جس کا ہر انداز تھا  
 اس کی تربیت آج بھی اس شہر کا ایمان ہے  
 جیہ فرسا آستان پر جس کے ساتوں آسماں  
 تھا مگر وہ بادشاہ اک بندہ حرص و ہوا  
 لحظہ لحظہ مانگتی تھی طمع اک شہر جدید  
 وہ زمانہ ہے کہ ہنگامے دکن میں ہیں بیا  
 شیخ کی خدمت میں آیا وہ شہر ہندستان  
 بھاگ آتا ہے مسلمان سوئے حق انجام کار  
 یعنی حق ہیں اور حق اندیش رہنا چاہئے  
 جنگ بالکل خیر، اگر منظور ہے اس کی رضا  
 جنگ کرنا قوم کے حق میں نہیں ہے سو مند  
 ہر خفی تھا جس کے نور جاں سے دنیا میں علیؑ  
 نغمہ عشق و محبت کے لئے اک ساز تھا  
 مشعلِ نور ہدایت ہے ہمارے واسطے  
 تھا مرید کترین اس کا شہر ہندستان  
 قصدِ تسخیر ممالک دل میں رکھتا تھا سدا  
 اور لبِ شمشیر پر تھا نغمہ ہل من مزید  
 اور اک لشکر شریک جنگ سے اس شاہ کا  
 تاکہ ہو اس کی دعا سے کامیاب کامراں  
 اپنی تدبیروں کو کرتا ہے دعا سے استنوار

شیخ سن کر گفت گوے شاہ کو خاموش تھا  
 اور بزمِ شیخ میں ہر اک سر اپا گھوش تھا  
 آن پہنچا اتنے ہی میں اک مرید باصفا  
 نذر اک چاندی کا سکہ شیخ کو کرنے لگا  
 عرض کی منظور کراے پیرا یہ نذر حقیر  
 اے کہ تو بھٹکے ہوؤں کا ہے جہاں میں دستگیر  
 ہو گیا ہے تن بدن محنت سے میرا چور چور  
 تپ ہوا ہے یہ درم مجھ کو میسر اے حضور!  
 شیخ نے فرمایا، یہ حق ہے ہمارے شاہ کا  
 جو کہ ہے پیرا ہن شاہی میں پوشیدہ گدا  
 گرچہ ہے وہ حکمرانِ انجم و خورشید و ماد  
 ہے مگر نادار بھی سب سے سوا یہ بادشاہ  
 دوسروں کے حوان پر رکھتا ہے یہ اپنی نظر  
 اس کی جوع الارض ہے اک جہاں زیر و زبر  
 قحط اور طاعون اس کی تیغ کی برکات سے  
 اک جہاں ویرانہ اس کے شوق تعمیرات سے  
 حلق ہے فریادیں کس درجہ اس نادار سے!  
 اس تہید سستی کے مارے اس ضعیف آزار سے!  
 سطوت و شوکت ہے اس کی دشمن اہل جہاں  
 یہ ستم گر راہ زن، اور نوعِ انساں کا رواں  
 ہو کے بدست خیال خود فریب و فکر خام  
 رکھتا ہے نادان یہ تاراج کا تسخیر نام  
 اک طرف ہے فوج شاہی اک طرف فوجِ غنیم  
 اس کی جوعِ ارض سے دونوں کا دل یکساں درویم

بھوک جوتی ہے گدا کی آتش جان گدا بھوک سے سلطان کی ملک قوم کے حق میں قضا

غیر حق کے واسطے خنجر ہو جس کا بے نیام

ہے یقین اول اسی کا کام ہو جائے تمام

میر نجات نقش بند کی نصیحت جو بابائے صحرائی کے نام سے مشہور

ہیں اور نصیحت مسلمانان ہند کے لئے تحریر فرمائی ہے۔

اے کہ مثل گل اکا ہے فاک سے کچھ غور کر! تیزی پیدائش بھی ہے بطنِ خودی سے بخبر!

نور خودی سے چھوڑتا تیرا بقا انجام ہو قطرہ بن کر رہ مگر ایسا کہ بحر آ شام ہو

اے کہ انوار خودی سے مثلِ جامِ حم ہے تو! گر خودی کو تو نے محکم کر لیا محکم ہے تو

فائدہ تیرا ہے جس میں، بس یہی سودا ہے وہ جس کو یہ دولت ملے، مردار بن جاتا ہے وہ

ہمت ہو کر نیستی سے تو ہراساں ہو گیا اے تیرے قربان کیوں اس درجہ ناداں ہو گیا!

سن رہا ہوں متصل آوازِ سازِ زندگی اس لئے تجھ سے بیان کرتا ہوں ازِ زندگی

ڈوب جاگو ہر صفت اپنی خودی میں بے عمل! شوق سے پھر اپنی خادوت گاہ سے باہر نکل



اپنی خاکستر سے اے ناواں شرار اندوز ہو  
 شعلہ بن کر اپنی گرمی سے نظر افروز ہو  
 چھوڑ دے یہ محنت چل سالہ اے مرد گزافا  
 شعلہ جوالہ کے مانند کر اپنا طواف  
 زندگانی ہے طوافِ غیر سے چھٹنے کا نام  
 جان لینا یعنی اپنے آپ کو بیت الحرام  
 بازو سے ہمت سے اڑا، اس خاک کے آزاد ہو  
 مثلِ طائرِ بے نیازِ خطرہ افتاد ہو  
 اور اگر طائر نہیں ہے تو، تو پھر بہرِ خرا  
 اس اندھیرے غار پر اپنا نشیمن مت بنا  
 اے کہ تو رکھتا ہے اپنے سر میں سوداِ علوم  
 میں سنا تا ہوں تجھے غافلِ پیامِ پروردگم  
 علم را بر تن زنی مارے بود  
 علم را بردل زنی یارے بود (رومی)

کیا کبھی تو نے سنا ہے قصہ مولا سے ردِ دم؟  
 وہ کہ تھا جس کا حلب میں مکتبِ مدرسِ علوم  
 پاؤں میں جس کے پڑی زنجیر توجیہاتِ عقل  
 جس کی کشتی ہو گئی طوفانی ظلماتِ عقل  
 ایسا موسیٰ جس نے دیکھا ہی نہیں سینا سے عشق  
 جو نہیں واقف کہ ہے کیا لذتِ سودا کے عشق  
 جو تشنگ کا بیاں کرتا تھا یا اشراق کا  
 وہ کہ حکمت اسکی مشائیں کی عقدہ کشا  
 علم و حکمت کے پڑتا تھا جو موتی بے ہوا  
 ہر حنفی کو جس کے نورِ فکر نے ظاہر کیا

لے ترجمہ - علم اگر ہے تن کی خاطر تیرے حق میں ما ہے دل کی خاطر ہے تو وہ تیرا رفیق و یار ہے

سامنے اس کے رہا کرتا تھا انبارِ کتب  
 پیر تبریزِ از رہِ تعمیرِ ارشادِ کمال  
 اور کہا رومی سے یہ عو غائے قیل ڈال کیا؟  
 مولوی صاحب نے فرمایا بس اے نادان بول  
 میرے مکتب سے نکل جا بس اسی میں خیر ہے  
 یہ ہمارا قال تیری فہم سے ہے ماورے  
 شمس تبریزی نے جس دم یہ سنا طیش آگیا  
 اور زمیں پر جا پڑی جس وقت وہ برقِ نظر  
 آتشِ دل نے جلایا خرمن اور اک کو  
 مولوی جو تھا ابھی بگائے اعجازِ عشق  
 بولا گھبرا کر کہ یہ کیا تو نے اے نادان کیا؟  
 شیخ نے اس سے کہا اے کافرِ مسلم نما!  
 اپنے مکتب میں بیاں کرتا تھا اسرارِ کتب  
 ڈھونڈ تا اک روز آیا مکتبِ ملا جلال  
 یہ قیاسِ دوہم یہ بہانہ و استدلال کیا؟  
 کیا مقالاتِ خرد کو تو نے سمجھا ہے کھٹھول؟  
 تو ہے نادان، جہل اور حکمت میں باہم پیر ہے  
 شیشہ ادراک کو دیتا ہے یہ نور و صفا  
 اور پیدا دل سے اس کے شعلہ آتش ہوا  
 اس کے سوزِ دم سے اٹھے خاک سے اک دم شرر  
 اور خاکستر کیا اس دفترِ ناپاک کو  
 مطلقاً نا آشنائے نغمہائے سازِ عشق  
 دفترِ اربابِ حکمت نذر آتش کر دیا!  
 یہ ہے ذوق و حال، تو اس کو سمجھ سکتا ہے کیا!

یہ ہمارا حال تیری فکر سے ہے مادری غور سے دیکھے تو شعلے ہیں ہمارے کیمیا  
 تو نے اپنا ساز و سامان ہر فنِ حکمت کو کیا بے تگرگ افشاں ہمیشہ ابر تیری فکر کا  
 آگ روشن کر کوئی اپنے خس و خاشاک سے اور کر شعلہ کوئی تعمیر اپنی خاک سے  
 علمِ مسلم غیر سوزِ دل نہیں ہوتا تمام اور اسلام اصل میں بس ترکِ آفل کا ہے نام

قید آفل سے جو ابراہیم نے پائی نجات  
 بن گئی آگ اس کے حق میں گلشنِ مینو صفا

علمِ حق کی تجھ کو اے نادان کچھ پروا نہیں ایک رونی کے لئے ہارا ہے تو نے نعتِ دین  
 جستجوئے سرمہ رکھتی سے تجھے زارِ دھریں اور اپنی سرنگیں آنکھوں سے تو واقف نہیں  
 شوق سے تو مانگ لے نجر سے بھی آپ بقا اور دہان اتر دہا سے آب کو شرکا مزا  
 سنگِ سود مانگ جا کر بے دھڑک بتخانے سے مشکِ ناز کی تمنا کر سگِ دیوانہ سے  
 پر نہ لینا دانشِ حاضر کے آگے دل کا نام معرفت کے کیفیت سے عالی ہے اس کا فر کا جام  
 مدتوں مجھ کو مانگ ڈوس رکھا ہے بیقرار تب کہیں تہذیبِ حاضر کا ہوا ہوں راز دار

باغبانوں نے لیا ہے خوب میرا امتحاں  
 لالہ زارِ درسِ عبرت ہے یہ گلزارِ حوشاب  
 تپ کیا ہے مجھ کو آخر رازِ دانِ گلستاں  
 گر گیا جس وقت نظروں سے گری یہ گلستاں  
 کاغذی پھولوں کے مانند ایک بہت کا سراب  
 علمِ حاضر ہے اے ناداں ابڑا بھاری حجاب  
 شاخِ طوبیٰ پر بنایا میں نے اپنا آسٹیاں  
 اس کو زندانِ مظاہر کی ہو اس آگئی  
 بت پرستی، بتِ فروشی، بتگری میں لاجواب  
 راستے میں زندگی کے تھک کے آخر رہ گیا  
 اس حدِ درجس سے یہ باہر نہیں نکلا کبھی  
 آگ رکھتا ہے، مگر مانند لالہ سرود ہے  
 اپنے ہاتھوں سے گلے پہ اپنے خنجر رکھ دیا  
 اس کی نظرت رہ گئی محروم سوزِ عشق سے  
 شعلہ رکھتا ہے، مگر مانند لالہ سرود ہے  
 عشق ہے بے شبہ افلاطونِ علیہاے عقل  
 اس جہاں جیتجو میں اس لئے ناشاد ہے  
 عشق کے نشتر سے پرخوں ہے، دل سودا عقل  
 یہ جہاں میں سومناتِ عقل کا محمود ہے  
 عالم کون دمکاں صاحب ہے یہ مسجود ہے

یہ مے دیرینہ لیکن اس کی بیباکی نہیں  
 شورشِ یارب سے خالی اسکی راتیں گئیں

مرتبہ شمشاد کا اپنے نہ سمجھا رہا بند  
 مثل نے اپنی خودی سے آپ کو خالی کیا  
 اے گدا کیوں ریزہ چین کے دروں کے خوان؟  
 بزمِ مسلم اور چراغِ غیر کیا اندھیرے!  
 اس لئے تو غیر کی آواز پر مرنے لگا  
 جس اپنی مانگتا ہے غیر کی دکان سے!  
 آہ مسجد اور شراب دہر کیا اندھیرے!  
 چیر ڈالا اس کا پہلونا دکِ سیار نے  
 بھاگنے والے خودی پھر خودی میں لوٹ آ  
 پھر خدا را ڈھونڈ اپنی وحدتِ کم کردہ کو  
 ہو گئے کافر کہ چھوڑا ہم نے ملت کا شعار  
 اور خدا جانے وہ رندانِ حجازی کیا ہوئے  
 خندہ زن ہے کفر بھی اسلام پر فریاد ہے!  
 ہاتھ میں تسبیح اور زنا ری اصنام آہ!  
 یوں گلی کو چوں میں میں وہ سحر ہرناویر  
 اے این حکمتِ قرآن اور ایشیا رہو  
 تھا ہمارا پاسباں دنیا میں ملت کا حصار  
 کیا ہوئے وہ جام و مینا ساتی دیرینہ کے  
 اب ہمارے ہی بتوں سے یہ حرم آباد ہے  
 شیخ نے ہاراتوں کے عشق میں اسلام آہ!  
 موسفیدی کی کرامت ہی بن بیٹھے ہیں پیر

دل کہ نقشِ لالہ سے یک قلم بیگانہ ہے      یہ ہوس کے نو ہوا صنم کا بت خانہ ہے  
 جس کے لمبے بال ہیں بسے وہی اب خرقہ پوش      کس قیامت کیے ہیں سوداگرانِ دیں فروش  
 کرتے پھرتے ہیں مریدوں کو لئے ہر دم سفر      اور ضروریاتِ ملت سے ہیں یکسر بے خبر  
 مثلِ نرگس ان کی آنکھیں نور سے محروم ہیں      اور سینے دل سے، اور دل شور سے محروم ہیں  
 واعظِ نادان کو بتخانے کا سودا ہو گیا      مفتیِ ملت نے سکے حق میں فتویٰ دیدیا

اب بناؤ اے ہمارے دوستو! ہم کیا کریں  
 حیب ہمارے پیروی رُخ سوتے میخانہ کریں

## الْوَقْتُ سَيْفٌ

عزیز آگیں ہو الہی خاکِ پاکِ شافعیؒ      اک جہاں ہے سرخوشِ صہبائے پاکِ شافعیؒ  
 عرش سے لایا ہے تارے توڑ کر فکرِ رسا      وقت کو تعبیر جس نے تیغِ بُراں سے کیا  
 مجھ سے کیا تعریف ہو سکتی ہے اس تلوار کی      اس کی آبِ تاب ہے سرمایہ دار زندگی

اس کے مالک کو نہیں اندیشہ رہیم ورجا  
 ننگِ خسار سے واپس چھپے ہوں اسکی سر سے  
 حضرت موسیٰ کے قبضے میں یہی شمشیر تھی  
 چاک اس نے سینہ دریا سے احر کر دیا  
 پنچہ حیدر کہ جو مشہور خیر گیر تھا  
 گردشِ گردن گرداں دیدنی ہے اے عزیز  
 کیوں اسیر دوش و ذوا ہو گیا انسان دیکھ!  
 اپنے آب و گل میں تو نے تخمِ ظلمت بو دیا  
 لے کے اپنے ہاتھ میں پیمانہ لیسل دنہار  
 رشتہ اوقات کو تو نے کیا زنا ر دوش  
 کیمیا تھا تو مگر اک تودہ گل ہو گیا  
 تو مسلمان ہے تو بس اب توڑ اس زنا کو  
 ہاتھ اس کا ہے بد بیٹا سے بھی روشن سوا  
 وہ اگر چاہے تو دریا ایک دم سحر اپنے  
 معنی تقدیر خالق جن کی ہر تدبیر تھی  
 اک سمندر خشک مثلِ خاک ہو کر رہ گیا  
 جانتے ہیں سب کہ مالک تھا اسی شمشیر کا  
 انقلابِ روز و شب تیرے سمجھنے کی ہے چیز  
 تیرے دل میں بھی نہ لاک جہاں پہنانے دیکھ  
 آہ ظالمِ وقت پر تو نے گماں خط کا کیا  
 فکر تیرا ناپتا رہتا ہے طولِ روزگار  
 عشق میں صاف باطل کے گنوائے اپنے ہوش  
 سترِ حق پیدا ہوا تھا۔ حرفِ باطل ہو گیا  
 اور بیٹا کے شمعِ بزمِ ملتِ احرار ہو

لوگ نہ سمجھا ہی نہیں ناوان معنی وقت نے  
 روز و شب کی قید میں سمجھے گا کیا انداز وقت  
 اس وائل پیدا ہوئے ہیں وقت کی رفا سے  
 اور اصلِ وقت یہ خورشید ہو سکتا نہیں  
 عیش اور غم، عید اور عاشورہ کیا ہے؟ وقت ہے،  
 وقت کو مثلِ مکاں تولے جو سمجھا حیف ہے!  
 ایک مثلِ بو، کیا رَم تولے اپنے باغ سے  
 وقت اپنا۔ ہے نہ جس کی ابتدا و انتہا  
 زندہ ہو جاتا ہے اس کی معرفتِ زندگی  
 کیسا زندہ؟ جس کی ہستی صبح سے تابندہ تر

زندگی ہے یہ زمانہ اور زمانہ زندگی

اس پہ شاید لاَسْبُوَ الدَّهْرُ فَرَمَانَ نَبِیِّ

تجھ سے کرتا ہوں بیاں اک نکتہ روشن مثلِ دُرِّ  
 تا تجھے معلوم ہو جائے تیرے عبد و حرِّ



عبدالگو کر لیتے ہیں گم آپ میں میل و نہار  
مشغلہ ہے عبد کا، بنت کفن ایام کا!  
اور حُر اس آب و گل کے دام میں پھنستا نہیں  
عبدالطائر کی طرح مجوس دام صبح و شام  
اور دیکھو! سینہ آزادہ چاہک نفس  
عبد کی فطرت کا حاصل دیکھئے تو کچھ نہیں  
ایک ہے اس کا گرا نباری سے ہر لحظہ مقام  
کام ہے حُر کا مگر تو آفرینی دم بدیم!  
اس کی فطرت بے نیاز زحمت تکرار ہے  
عبد کے حق میں زمانہ پاؤں کی زنجیر ہے  
مردِ حُر کی ہیبت عالی قضا کی راز دار  
ماضی و آئندہ اس کے حال میں موجود ہیں  
اور حُر کے دل میں ہو جاتا ہے گم یہ روزِ گام  
اور روز و شب کی چادر اپنے اوپر تاتا  
بلکہ چھپا جاتا ہے وہ کون و مکان پر بالیقین  
لذتِ پرواز اس کی جان پر یکسر حرام  
طائر ایام جس میں بند ہے، الیہا قفس  
وارداتِ نوبتوں سے بے خبر زار و حزیں  
ایک حالت پر ہیں اس کے نالہ ہائے صبح و شام  
تازہ نغموں کا ہمیشہ حامل اس کا زیر و بم  
راستہ کب اس کا مثلِ حلقہ پر کار ہے!  
اور زباں پر اس کی ہر دم شکوہ تقدیر ہے  
اس کے ایما سے ہیں گویا حادثاتِ روزگار  
دیر کتنے ہوں مگر اس کے لئے سب زود ہیں

یہ سخن میرا مگر صوت و صدا سے پاک ہے      بے خبر اس جاخرد عاجز یہاں ادراک ہے  
 حرف کار و ناکہ ہے معنی کے آگے شرمسار      شکوہ معنی کہ ہے کب حرفت اس کو سازگار  
 معنی زندہ جب آیا حرفت میں مردہ ہوا      شعلہ اس کا سالس کی ٹھنڈک سے افسردہ ہوا  
 تیرا دل ہے رازدارِ نکتہ غیب و حضور      تیرا دل گنجینہ اسرارِ ایام و مرور

نغمہ خاموش رکھتا ہے جہاں میں سازِ وقت

غوطہ زن ہودل میں مل جائے گا تجھ کو رازِ وقت

یاد میں ہم کو ابھی وہ دن کہ تیغ روزگار      تھی ہماری قوتِ بازو کی یار سازگار  
 ہم نے بویا تھا دلوں کی سبز میں تخم دیں      چہرہ حق سے اٹھایا پردہ ہم نے بالیقین  
 عقدہ عالم کیا حل ناخن تدبیر سے      کھول دی قسمت جہاں کی نعمتِ تکبیر سے  
 بادہ گلگوں خم حق سے پیاجی کھول کر      اور پڑانے میکدوں کو کر دیا زبرد زبر  
 ایک اب صہبا کے دیرینہ تری بینا میں ہے      شیشہ بھی پانی ہو وہ گرمی تری صہبا میں  
 کس لئے اس درجہ تجھ کو سخوت دیندار سے      کس لئے ہے طعنت زن مسلم اگر نادا ہے

زیبِ محفل تھا ہمارا جام بھی اے بے خبر! ہم بھی رکھتے تھے کبھی پہلو میں دل تو یاد کر!  
 عصرِ نوجو سینکڑوں جلوؤں سے آراستہ یہ ہمارے ہی غبارِ راہ سے پیدا ہوا  
 کشتِ زارِ حق کو سینچا ہم نے اپنے خون سے ہے جہاں ممنون ہماری حق نمائی کے لئے  
 ہم نے ہی یوں صاحبِ تکبیرِ عالم کو کیا خاک سے اپنی رکھی ہم نے ہی کعبوں کی پنا  
 حرفِ اقراءِ حقِ تعالیٰ نے سکھایا تھا ہمیں اور اپنے رزق کا قاسم بنایا تھا ہمیں  
 چھن گیا ہاتھوں سے اپنے آج گوتاجِ ذنگیں یہ گدرا تیری حقارت کے مگر شایاں نہیں  
 تیری نظروں میں زیاں اندیش میں بیکار ہیں ہم کو حاصل ہے مگر وہ اعتبارِ لا الہ  
 واسطہ اب کیا عزمِ امر و فرود اسے رہا؟ ہم نے باندھا ہے کسی کے ساتھ پیمانِ وفا  
 سینہٴ عالم میں ہیں ہم سرِ مکنونِ خدا وارثِ موسیٰ و ہارونؑ ہم کو خالق نے کیا  
 چاند اور سورج میں ہے اب بھی ہماری پناہ اب بھی رکھتا ہے ہزاروں بچلیاں اپنا سحاب

ذات ہے اپنی جہاں میں ذاتِ حق کا آئینہ  
 مستیِ مسلم ہے اک آیاتِ حق کا آئینہ

# دُعَا

اے دل و جانِ وجودِ عالمِ امکان ہے تو ہم سے کیوں بیزار ہے آخر ہماری جاں ہے تو  
نغمہ پر و فریض سے تیرے ربا پر زندگی موت تیرے راستے میں کامیابِ زندگی  
پھر خدا را آ کے تسکینِ دلِ ناشاد کر یعنی پھر سینوں کو اپنے عشق سے آباد کر  
چھین لے پھر ہم سے اس سودا گنگ نام کو پختگی کر دے عطا پھر عاشقانِ خام کو  
شکوہ ہم رکھتے ہیں اپنے بختِ نافرہام سے ہے کند اپنی بہت کوتاہ تیری بام سے  
کیوں چھپاتا ہے ہتی دستوں سے تو اپنا جمال کر عنایت ہم کو ارزاں عشقِ سلمانِ دبلالؐ  
چشمِ بیخواب و دلِ بیاب ہم کو بخش دے پھر ہماری فطرتِ سیما ہم کو بخش دے  
ہم کو دکھلا دے الہی! پھر وہ آیاتِ مبیں سامنے ہو منظرِ اَعْنَاقِ اَعْدَا خاضعینؑ  
کوہِ آتشِ خیز کر دے پھر ہماری کاہ کو پھر جلا دیں ہم اسی آتش میں غیر اللہ کو  
چھوڑ دیں وحدت کی راہیں جب ہماری قوم نے رشتہ مقصوم میں عقد ہزاروں پڑ گئے  
اب ستاروں کی طرح ہم ہیں پریشاں بسبر اصل میں سب ایک اور بیگانہ ہیں باہمدگر

پھران اوراق پر نشاں کا وہی شیرازہ ہوا  
 ہم سے جو خدمت کبھی لی تھی خذرا پھر بھی لے  
 پھر وہی دینا میں آئین محبت تازہ ہوا  
 یعنی اپنا کام اپنے عاشقوں کو سونپ دے  
 راہرو میں ان کو پہنچا منزل تسلیم پر  
 پھر عطا ان کو وہی ایسا نِ ابراہیم کر

اور لا کے شغل سے آگاہ کر دے عشق کو

آشنائے رمز الالہ کر دے عشق کو

میں کہ اوردوں کے لئے جلنا ہوں یارب شمع سا  
 مجھ کو وہ آنسو عطا کر دے جو دل فرور ہوں  
 اور سکھاتا ہوں طریق گریہ و آہ و فغاں  
 بے قرار بے سکوں بیتابے راحت سوز ہوں  
 باغ میں بودوں میں انکو اور پیدا آگ ہو  
 دوش کی جانب سے دل، آنکھیں سو فردا لگیں  
 اس طرح ہوں درمیان انجمن تنہا نشیں  
 از درون من نجست اسرار من  
 ہر کسے از ظن خود شد یار من  
 نخل سینا ہوں نگر پیدا نہیں میرا کلیم!  
 آہ! دُنیا میں نہیں ملتا کوئی اپنا ندیم  
 آگ کے شعلے کو اپنی گود میں پالا کیا!  
 کیسا ظالم ہوں کہ میں خود پر جھا کرتا رہا!

حیف! لیکن کوئی میرے راز کا جو یا نہیں

ما ترجمہ۔ جس کو دیکھو ہے گماں سے اپنے، میرا ہم نشیں

آج بے شعلہ اسی کا اور مراد امان ہوش  
 علم کا جس نے متاعِ زندگی غارت کیا  
 بجلیوں کا طوف میں جس کے ہمیشہ اثر وہام  
 بعد مدت پھر امین آتش پہنا ہوا  
 خود مگر دنیا کی نظروں سے ہناں جلتا رہا  
 اور رگ اندیشہ سے ہونے لگے شعلے عیاں  
 اس نے پھر آتش مزاج اک نغمہ پیدا کر لیا  
 مضطرب مجنوں کہ محل ہے مگر لیلیٰ نہیں  
 آہ! اک پروانہ دنیا میں مے شایاں نہیں  
 کب تلک کرتا رہوں میں جستجو سے راز دار؟  
 چین لے مجھ سے مجھ کیوں تو لے یہ شعلہ دیا  
 خارِ جوہر کو مرے آئینہ دل سے نکال  
 آگ بھی کیسی جو ہے غارت گر سامانِ ہوش  
 عقل کو جس نے جنوں کا راستہ بتلادیا  
 ہو گیا خورشید جس کے سوز سے گرد و مقام  
 پہلے شیم کی طرح میں دیدہ گریاں ہوا  
 میں نہ شمع بزم کو سوزِ عیاں سکھلا دیا  
 ہو گیا آخر مرا ہر موئے تن آتش فشاں  
 میرا لیل داغ چینِ خرمین آتش ہوا  
 عہد حاضر میں ہے سب کچھ ایک دل پیدا نہیں  
 اس طرح تنہا تڑپنا شمع کو آساں نہیں  
 کب تلک کرتا رہوں میں انتظارِ عکسار؟  
 اے رخِ روشن سے تیرے ماہِ وانجم کو صیبا  
 باز آیا اس گیس اپنی امانت کو سنبھال

یا مجھے لگتے کوئی ہمدردیرینہ دے  
 مجھ کو میرے عشق عالم سوز کا آئینہ دے  
 موج کو دیکھو تو ہے دریا میں ہم پہلے موج  
 موج سے مل کر محبت میں ترپنا خوتے موج  
 آسماں پر ہے ستارے کا ستارہ ہم نشین  
 رات کے زانو پہ رہتا ہے سرمایہ مبین  
 دیکھئے دن کو تو ہے وہ رات کا پہلو نشین  
 اور فردا کے سبب امروز بھی تنہا نہیں  
 نہر کو دیکھا ہے اکثر نہر میں ہوتے فنا  
 بو، میں گم دیکھی ہے ہوتے موج بادِ صبا  
 زندگی کا ہے مزا مستوں کو پینے کے ساتھ  
 رقص کرتا ہے ہر اک دیوانہ دیوانے کے ساتھ  
 تو، کہ اپنی ذات میں یکتا ہے بچوں و چرا  
 تو نے بھی عالم کو اپنے واسطے پیدا کیا  
 آہ! دنیا میں مثال لالہ صحرا ہوں میں  
 اس بھری محفل میں یعنی بکیس تنہا ہوں میں  
 دے مجھے بھی کوئی ہمدرد اے مے پروردگار  
 وہ مرا ہمدرد مگر دیوانہ و سرزانا ہو  
 تاکہ اس کی جاں کو اپنی ہوتے وحشت شو: دروں  
 اس کے دل کے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھ لوں

اپنی مٹی سے بناؤں سپیکر اس محبوب کا  
 خود صنم اس کا بنوں خود ہی برہمن بادِ فنا